اِس شمارے میں

نورِ ہدایت	کارِخیر میں خرچ کرنے کا ثواب		۵
نظر وفکر	اِسلام کا نظامِ عدل	محمد سلمان منصور پوری	۶
درسِ حدیث	قابلِ قدر باتیں	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۱۲
مقالات ومضامین	صدموں اورغموں بھرے لمحات	مولانا کلیم اللہ قاسمی	۱۶
	دنیا میں کیا کیا ہوگا؟	مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری	۲۵
	مدارس پر آراء کا تجزیہ	مولانا محمد افضال قاسمی	۳۴
	گھر کا سربراہ کون؟ مرد یا عورت	مولانا محمد قمر الزماں ندوی	۴۰
	انصارِ مدینہ میں سب سے پہلے......	مولانا مفتی ابوجندل قاسمی	۴۷
ذکرِ رفتگاں	حاجی عبدالرزاق نصیر آبادیؒ	مولانا نورعالم خلیل اَمینی	۵۱
	کارواں باقی ہے اور......	مولانا محمد عرفان قاسمی	۵۷
کتاب المسائل	تین طلاق کے متعلق مسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۶۱
عالمی خبریں	یمن کی جنگ: عالم اسلام پر......		۲
جامعہ کے شب وروز	مہتمم جامعہ کے اسفار، جامعہ کی انجمنوں کے پروگرام، واردین وصادرین، وفیات		۶۷

نور ہدایت:

کارِ خیر میں خرچ کرنے کا ثواب

ارشادِ ربانی: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. (البقرة: ۲٦۰)

ترجمہ: ''اُن لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، اُس دانہ کی طرح ہے جو سات بالیاں اُگائے، جن میں سے ایک بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جس کے واسطے (جتنا) چاہے بڑھاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بے انتہاء بخشش کرنے والا اور سب کچھ جانتا ہے''۔

اِس آیت شریفہ میں اللہ کے راستہ میں یعنی کارِ خیر میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ صدقہ میں دئے گئے مال کا اَجر وثواب ایک سے لے کر سات سو گنا تک ملتا ہے، مگر یہ بھی کوئی آخری حد نہیں؛ بلکہ حالات، تقاضوں اور نیت کی کیفیت کے اعتبار سے اِس ثواب میں اللہ تعالیٰ اس قدر اضافہ فرماتے ہیں، جس کا دنیا میں کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ تمہارے صدقہ کی ایک ایک کھجور اور ایک ایک لقمہ کی اس طرح پرورش فرماتے ہیں، جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی اونٹنی کے بچہ کی پرورش کرتا ہے؛ تا آں کہ اس ایک کھجور کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ۲۰۲)

خاص طور پر جہادِ شرعی میں خرچ کا ثواب سب سے زیادہ ہے، جیسا کہ سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''وہ مجاہدین جو خود اپنا مال خرچ کرکے جہاد میں جاتے ہیں، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے بڑے بڑے خزانے تیار کررکھے ہیں، جو بندوں کی معلومات سے کہیں بڑھ کر ہیں''۔ (روح المعانی ۳/۵۲)

بہرحال آیت شریفہ سے کارِ خیر میں خرچ کا عظیم ثواب معلوم ہوا، اس کے لئے جو دانہ کی مثال دی گئی وہ بھی گذشتہ مضمون (احیاءِ موتی) کے عین موافق ہے، کہ جس طرح رب العالمین ایک سوکھے ہوئے دانے کو تازگی بخش کر اُس سے سات سو دانے نکالنے پر قادر ہے، اسی طرح اس کے لئے قبروں سے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ (روح المعانی ۳/۵۲)

اس لئے ہر مسلمان کو آخرت میں ثواب کے حصول کی نیت سے موقع بموقع صدقہ وخیرات کرنے کا اہتمام رکھنا چاہئے، یہ عمل دینی ودنیوی ہر اعتبار سے نفع بخش ہے، اور مکارہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ ○❖○

نظر وفکر

ایک جامع قرآنی وعظ (۷۵)

محمد سلمان منصورپوری
Mansoorpuri
@gmail.com

اِسلام کا نظامِ عدل

امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مثالی عدل

خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں عدل وانصاف کے ایسے نمونے پیش فرمائے، جن کی مثال انسانی تاریخ میں خال خال ہی ملتی ہے، آپ نے اسلام کے عادلانہ نظام کو اُجاگر کرنے کا ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا کہ آپ کی ذات اور عدل وانصاف گویا کہ لازم ملزوم بن گئے، کہ آج جہاں بھی حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے تو ان کے عدل کا تصور نظروں میں گھوم جاتا ہے، اور دنیا میں جب کہیں بھی عدل کا ذکر ہوتا ہے تو خود بخود نگاہیں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عظیم کردار کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال اور اُمراء کو عدل وانصاف کی ہدایت کررکھی تھی، اور پھر آپ اس کی نگرانی بھی فرماتے تھے، اگر کسی حاکم کے بارے میں یہ پتہ چلتا کہ اُس نے عدل کے خلاف کوئی حرکت کی ہے، تو آپ اُس کی سخت باز پرس فرماتے۔ خاص طور پر معاشرہ کے سبھی طبقات کے ساتھ یکساں معاملہ کرنے پر آپ زور دیتے تھے، اور قانون کی نظر میں سب کو برابر تصور فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک باغ کے معاملہ میں آپ کا حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے کچھ تنازعہ ہوا، تو آپ دونوں حضرات قاضیٔ مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، اور اُن سے فیصلہ کی درخواست کی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ بٹھانا چاہا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اعتراض ہوا، کہ اِس وقت میں ایک فریق بن کر آیا ہوں، مجھے امتیازی جگہ بٹھانا اِنصاف کے خلاف ہے، چناں چہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دونوں کو سامنے بٹھایا، اور گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے باغ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ پیش فرمایا، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار فرمایا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے شرعی اُصول کے مطابق حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ

سے اُن کے دعویٰ پر گواہ طلب کیے، تو اُنہوں نے فرمادیا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں، تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قسم کھانے کا مطالبہ کیا، ساتھ ہی حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر یہ فرمایا کہ امیر المؤمنین سے آپ قسم نہ لیں تو بہتر ہے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرما ہوئے کہ: ''کیا آپ دوسروں کے مقدمات میں بھی اسی طرح قسم نہ لینے کا مشورہ دیتے ہیں''؟ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: ''جیسے اور لوگوں کے مقدمات آپ سنتے ہیں، اسی طرح ہمارا بھی مقدمہ سنیں اور کوئی امتیاز نہ برتیں''۔ اس کے بعد آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ: ''اِس باغ میں حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا کوئی حق نہیں ہے''۔ چناں چہ حسبِ ضابطہ فیصلہ آپ کے حق میں ہوا؛ لیکن اس موقع پر آپ نے ایک تاریخی جملہ بھی ارشاد فرمایا جو سبھی حکام وقضاۃ کے لئے بہترین مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا یُدْرِکُ زَیْدٌ الْقَضَاءَ حَتّٰی یَکُوْنَ عُمَرُ وَرَجُلٌ مِنْ عُرُضِ الْمُسْلِمِیْنَ عِنْدَهٗ سَوَاءً. (أخبار القضاة ۱۱۰/۱ بحوالہ: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھ ۱۵۷-۱۵۹)

حضرت زید قضاء کے منصب کے اس وقت تک اہل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ان کی نظر میں عمر (امیر المؤمنین) اور ایک عام مسلمان آدمی برابر نہ ہوجائیں۔

رعبِ فاروقی

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے حکام پر کیسا رعب ودبدبہ تھا، اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دیہاتی ذمی شخص کی زمین کا کچھ حصہ سعید بن مالک نامی ایک حاکم کے قبضہ میں آ گیا، اور جب اس دیہاتی نے اس حاکم سے اپنی زمین واگذاری کی درخواست کی تو سعید بن مالک نے اس کی اُلٹی سرزنش کی، دیہاتی نے کہا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر شکایت کروں گا، چناں چہ وہ مدینہ منورہ پہنچا اور سارا قصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ سنایا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام ''یرفاً'' کو بلاکر ایک تحریر لکھوائی، جس کا مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ عُمَرَ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ إِلٰی سَعِیْدِ بْنِ مَالِکٍ، سَلَامٌ عَلَیْکَ، أَمَّا بَعْدُ:

فَإِنَّ مَهْرَزَادَ دَهْقَانُ السَّيْلَحِيْنِ ذَكَرَ أَنَّ لَهُ ضَيْعَةً إِلٰى جَانِبِكَ وَإِنَّهُ أَتَاكَ يَسْتَعْدِيْكَ عَلٰى نَفْسِكَ، فَأَمَرْتَ بِهِ فَوُجِئَتْ عُنُقُهُ، فَإِذَا جَاءَكَ كِتَابِيْ هٰذَا فَأَرْضِهُ مِنْ حَقِّهِ، وَإِلَّا فَاَقْبِلْ عَلَيَّ رَاحِلاً، وَالسَّلَامُ"۔

(یہ تحریر اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے سعید بن مالک کی جانب بھیجی جارہی ہے، تم پر سلامتی ہو، بعدازاں بات یہ ہے کہ علاقہ سیلحین کا ایک دیہاتی شخص جس کا نام "مہرزاد" ہے، اس نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی کچھ جائیداد تمہاری طرف آ گئی ہے، اور جب وہ اس معاملہ میں تمہارے پاس مدد کے لئے پہنچا تو تم نے آرڈر دے کر اس کی گردن ٹھکوادی، (یعنی اس کو حق دینے کے بجائے اس کی سرزنش کی) پس جب یہ تحریر تمہارے پاس پہنچے، تو یا تو اس کا حق دے کر اسے راضی کرو، اور یا فوراً سوار ہو کر میرے پاس آ جاؤ، والسلام۔

یہ تحریر لکھوانے کے بعد کاغذ کو لپیٹنے کے لئے آپ دھاگہ تلاش کر رہے تھے، مگر وہ دستیاب نہیں ہوا، تو آپ نے اپنے نیچے بچھائے ہوئے ایک عباء سے کچھ دھاگے نکال کر اس سے تحریر کو باندھ دیا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ تحریر لے کر جب میں اپنے گھر آیا تو گھر والوں نے پوچھا کہ کیا کر کے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جس کے پاس اپنی تحریر باندھنے کے لئے کوئی قاعدہ کا دھاگہ بھی نہ تھا، حتیٰ کہ اپنے بوسیدہ عباء کے نیچے سے دھاگہ نکال کر اس نے تحریر باندھی، تو ایسے آدمی کی تحریر کا کیا اثر ہوگا؟ تو گھر والوں نے کہا کہ یہ تحریر سعید بن مالک تک پہنچاؤ تو سہی، ممکن ہے کہ وہ اس حکم کی تعمیل کرے، چناں چہ جب میں وہ تحریر لے کر سعید بن مالک کے پاس گیا، تو اس کو پڑھتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگے، حتی کہ وہ تحریر ان کے ہاتھ سے گر گئی، اور کہنے لگے کہ تم نے کیا غضب کیا، جاؤ وہ ساری زمین تمہاری ہے، میں نے کہا بھی کہ میں ساری زمین نہیں لینا چاہتا؛ لیکن وہ یہی کہتے رہے کہ اب میں اس زمین کا کوئی جزء بھی نہیں لوں گا۔ (المحاسن والمساوی، للشیخ ابراہیم بن محمد البیہقی ۳۵۹-۳۶۰)

اس واقعہ سے امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکام پر رعب و دبدبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، یہ بات جبھی پیدا ہوتی ہے جب آدمی عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہو۔

عدلِ فاروقی نے ایک متکبر حکمراں کا غرور خاک میں ملا دیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں "جبلہ ابہم غسانی" جو کہ علاقۂ غسان کے بادشاہوں میں سے تھا، مسلمان ہوا، موسم حج میں خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، ایک دوسرا غریب آدمی بھی ساتھ طواف

کررہا تھا، اتفاق سے اس غریب آدمی کے پیر تلے اس کی لنگی کا کنارہ دَب گیا، جبلہ آگے بڑھا، تو اس کی لنگی کھل گئی اور وہ برہنہ ہوگیا، چوں کہ وہ اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھتا تھا، اور دوسرا شخص نہایت غریب تھا؛ لہٰذا اس کو بہت غصہ آیا اور اس نے ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ اس بے چارہ کا دانت ٹوٹ گیا، وہ شخص اس حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین جبلہ نے میرا دانت توڑ دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جبلہ کو ہمارے پاس لاؤ، جب وہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یا تو تم مدعی کو رضامند کرو، ورنہ قصاص دینے پر راضی ہو جاؤ، جبلہ کو خلافِ توقع فیصلہ سخت ناگوار گذرا، اس نے کہا کہ ایک معمولی شخص کے عوض مجھ سے قصاص لیا جائے گا، میں بادشاہ ہوں اور وہ عام رعیت کا ایک فرد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام نے تم کو اور اس کو یعنی بادشاہ اور رعیت کو اپنے احکام میں مساوی کردیا ہے، کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے ہے، جبلہ نے کہا کہ میں تو یہ سمجھ کر مسلمان ہوا تھا کہ پہلے سے زیادہ باعزت ومحترم ہوکر رہوں گا، آپ نے فرمایا کہ اسلامی قانون کا فیصلہ تو یہی ہے جس کی پابندی ہم پر اور تم پر لازمی ہے، اس کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا، عزت قائم رکھنی ہے، تو اس کو راضی کرلو ورنہ مجمع عام میں بدلہ دینے کو تیار ہوجاؤ۔ (اشاعتِ اسلام ۲۷۴)

اس نے کہا کہ اچھا مجھے ایک دن کی مہلت مل سکتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص مہلت دے تو ہوسکتی ہے، صاحب حق سے پوچھا گیا، وہ بے چارہ اس قدر نیک دل تھا کہ اس نے اجازت دے دی، جبلہ موقع پاکر رات کو بھاگ گیا اور رومیوں سے جاملا اور بدستور سابق نصرانی ہوگیا۔

(افادات حضرت حکیم الامت، ماخوذ از: فاروقِ اعظم، از: مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھ ۱۶۱)

اور زرکلی کی ''الاعلام'' میں بلاذری کے حوالہ سے یہ واقعہ اِس طرح نقل کیا گیا ہے کہ جب سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ۱۷ہجری میں شام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تو جبلہ ابن ایہم کا قبیلۂ مزنیہ کے ایک شخص سے جھگڑا ہوا، اور اُس نے اُس کی آنکھ پر چپت ماردیا۔ معاملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار تک پہنچا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو حکم دیا کہ: ''تمہیں قصاص دینا ہوگا''، تو جبلہ اَکڑ گیا اور کہنے لگا کہ: ''میری اور اُس کی آنکھ کیا برابر ہے''؟ میں ایسے علاقہ میں نہیں رہ سکتا، جہاں مجھ پر کوئی اور حکومت کرے، چناں چہ وہ مرتد ہوکر عیسائیوں سے جاملا، اور وہیں اُس کی موت آئی۔ (الاعلام ۲/۱۱۱ دار العلم بیروت، بحوالہ: فتوح البلدان للبلاذری ۱۴۱-۱۴۲)

اس واقعہ سے عدلِ فاروقی کا ایک شاندار نمونہ ظاہر ہوا، جو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے۔

یہ تو چند نمونے ہیں، ورنہ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ خصوصاً خلفاء راشدین اور خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا دورِ حکومت عدل وانصاف کے اعتبار سے آج تک ضرب المثل ہے، جن کے تفصیلی واقعات کا احاطہ موجبِ طوالت ہے۔

چند آدابِ قضاء

درج بالا تفصیلات کی روشنی میں فقہاء نے حکام اور قضاۃ کے لئے ایسے آداب مقرر فرمائے ہیں، جن کا اگر لحاظ رکھا جائے تو حتی الامکان حق تلفیوں اور بدعنوانی سے بچا جا سکتا ہے، چند آداب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) جو شخص عدل وانصاف کرنے پر قدرت نہ رکھے، اسے حکومت کا کوئی عہدہ قبول نہ کرنا چاہئے۔

(۲) اگر طبعی ناگواری کے باوجود کسی شخص کو عہدہ سپرد کر دیا جائے تو وہ اس عہدہ کا حق ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے اور تہمت کے مواقع سے بچتا رہے۔

(۳) عہدہ حاصل کرنے کے بعد اپنے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ کسی اور شخص سے کوئی ہدیہ قبول نہ کرے، حتیٰ کہ اگر قریبی رشتہ دار کا مقدمہ زیر سماعت ہو تو اس کا ہدیہ بھی قبول نہ کرے۔

(۴) جو شخص تعلق کی بنا پر اسے پہلے سے ہدیہ دیتا رہا ہو، تو اس سے صرف اُسی قدر ہدیہ وصول کرے جو پہلے دیتا رہا ہے، اس سے زیادہ وصول کرنا درست نہیں۔

(۵) حاکم کسی ایسی دعوت میں شریک نہ ہو جو خاص کر اسی حاکم کے اعزاز میں منعقد کی گئی ہو۔

(۶) جو معاملہ حاکم اور قاضی کے سامنے پیش ہو تو اس کے متعلق کسی ایک فریق کو چھوڑ کر دوسرے فریق کی میزبانی نہ کرے۔

(۷) جب فریقین مجلس عدالت میں حاضر ہوں، تو دونوں فریقوں سے گفتگو میں یکسانیت اختیار کرے، نہ تو کسی فریق سے سرگوشی کرے اور نہ کسی سے بشاشت اور بے تکلفی سے بات کرے، اور نہ ہنسی مذاق کرے۔ (ہدایہ ۳/۱۳۵-۱۳۶)

عادل حکمرانوں کے لئے بشارتیں

احادیثِ شریفہ میں انصاف کرنے والے حکام کے لئے بڑی بشارتیں وارد ہیں، ایک حدیث میں

ہے کہ سات خوش نصیب لوگ میدانِ محشر میں اللہ کے سایہ میں ہوں گے، جن میں سب سے پہلے نمبر پر ''إِمَامٌ عَادِلٌ'' یعنی ''عادل حکمراں'' کو شامل کیا گیا ہے۔ (بخاری شریف ۱/۱۹۱ حدیث: ۶۶۰، مسلم شریف ۱/۳۳۱ حدیث: ۱۰۳۱)

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ:

إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرٍ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُّوْا. (صحيح مسلم ۲/ ۱۲۱ رقم: ۱۸۲۷)

عدل وانصاف سے کام لینے والے اللہ کے نزدیک نور کے ممبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب (اور اس کی دونوں جانبیں داہنی ہی ہیں) تشریف فرما ہوں گے، جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ اور اپنی ذمہ داریوں میں عدل وانصاف کرتے ہیں۔

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

أَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ: ذُوْ سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُوَفَّقٌ، وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ، لِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى مُسْلِمٍ، وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْ عِيَالٍ. (صحيح مسلم ۲/ ۳۸۵ رقم: ۲۸۶۵)

تین طرح کے لوگ جنتی ہیں: (۱) عادل حکمراں، جسے اللہ کی طرف سے توفیق نصیب ہو (۲) وہ شخص جو ہر قریبی مسلمان رشتہ دار کے لئے مہربانی کرنے والا اور نرم دل ہو (۳) وہ شخص جو پاک دامن اور پاک باز عیال دار ہو۔ (باحیا اور باغیرت ہو)

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

يَوْمٌ مِنْ إِمَامٍ عَادِلٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً، وَحَدٌّ يُقَامُ فِي الْأَرْضِ بِحَقِّهٖ أَزْكٰى فِيْهَا مِنْ مَطَرٍ أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب رقم: ۳۳٤٤)

عادل بادشاہ کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے، اور زمین میں جو حد شرعی حق کے ساتھ قائم کی جائے وہ زمین میں چالیس دن کی لگاتار بارش سے زیادہ صفائی اور ستھرائی کا سبب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عادل حکمراں قوم وملت کی فکر میں جو وقت صرف کرتا ہے وہ سالوں کی نفلی عبادات سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے؛ کیوں کہ اس کا یہ وقت اصلاحِ عالم کی اہم ترین ذمہ داری کی ادائیگی میں صرف ہو رہا ہے۔

درسِ حدیث:

قابلِ قدر باتیں!

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ. (رواه مسلم، مشکوة: ١٦٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ: صدقہ خیرات کی وجہ سے مال میں کمی نہیں آتی ہے، جو بندہ (طاقت کے باوجود) بدلہ لینے کے بجائے معاف کردے، اللہ اس کی عزت میں اضافہ کرے گا۔ اور جو شخص محض اللہ رب العزت کے لئے انکساری اختیار کرے گا اللہ رب العزت اس کو سربلندی عطا فرمائے گا۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو دنیا وآخرت کے نفع اور فائدے کی باتیں مختلف انداز میں زندگی بھر بتاتے رہے، جن سے استفادہ کرکے صحابہ کرام عزت وعظمت اور سربلندی حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب جب امت نے اپنے آقا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو مشعلِ راہ بنایا ہے، کامیابیوں نے اس کے قدموں کو چوما ہے، اور جب بندگانِ خدا نے محبوبِ رب العالمین علیہ السلام کے ارشادات کو نظر انداز کیا ہے، ذلت ورسوائی کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہیں لگا ہے۔ مذکورہ بالا روایت میں نبی کریم علیہ السلام تین ایسی عظیم نصیحتوں کو بیان فرمارہے ہیں، جن کو آج امت کا ایک بہت بڑا طبقہ بھلا چکا ہے۔ ذیل میں ان کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) **ما نقصت صدقة من مال**: نبی کریم علیہ السلام پہلی نصیحت میں اپنی امت کو صدقہ خیرات کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مال ودولت میں کسی طرح کی کمی اور نقص پیدا نہیں ہوگا؛ بلکہ اضافہ اور برکت ہی ہوگی۔ عام طور پر انسان کو مال سے محبت ہوتی ہے، اس کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے اور ہرگز اس کو اپنے سے دور نہیں ہونے دیتا، اسی کے ساتھ بہت سے لوگوں کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ پیسہ اگر خرچ کرنا ہی پڑے تو ایسے موقع پر کیا جائے کہ شہرت، نام ونمود اور عزت حاصل ہوسکے، گویا خلوص وللّٰہیت ناپید ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے، خاص

طور پر لالچ اگر کسی کے دل میں پیدا ہوجائے تو وہ حرام وحلال کے فرق کو بھول جاتا ہے، جائز وناجائز کا مفہوم اس کے ذہن ودماغ سے مٹ جاتا ہے، اور وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھنے کے خیال سے محروم ہوجاتا ہے۔ اسلام اس طرح کی سطحی اور گندی سوچ کو اپنے ماننے والوں کے اندر سے نکال کر، ان کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں نبی کریم علیہ السلام لالچ اور طمع سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لالچ سے بچتے رہنا؛ کیوں کہ اس بیماری نے ہی تم سے پہلی قوموں کو ہلاکت میں مبتلا کیا تھا۔ یہی وہ عیب ہے جو انسانوں کو خون ریزی اور ایک دوسرے کو ذلیل وخوار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اتَّقُوْا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوْا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلَى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَ هُمْ، وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ. (رواه مسلم، مشكوة: ١٦٤)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ظلم سے بچو! کیوں کہ ظلم قیامت کے دن تاریکی کا ذریعہ بنے گا۔ اور لالچ سے بچو! کیوں کہ لالچ نے تم سے پہلوں کو ہلاک کیا اور ان کو اس بات پر ابھارا کہ وہ ایک دوسرے کا خون بہائیں اور ذلیل ورسوا کریں۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے؛ اس لئے اس کے احکامات میں انسانی کمزوریوں پر قابو پانے کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے، چنانچہ صدقہ خیرات کے ذریعہ راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دے کر اسلام نے جہاں ایک طرف بندگانِ خدا کے دلوں سے مال ودولت کی محبت نکالنے کا ارادہ کیا ہے، وہیں دوسری طرف غریبوں اور ضرورت مندوں کے لئے لوگوں کے قلوب میں نرمی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کا بھی قصد کیا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ تم ضرورت مندوں پر خرچ کرو، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب کبھی تم کو ضرورت ہوگی تو تم پر بھی خرچ کیا جائے گا۔ ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنْفِقْ يَابْنَ آدَمَ! أُنْفِقْ عَلَيْكَ. (رواه البخاري، مشكوة: ١٦٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ: اللہ کہتا ہے: اے ابن آدم! خرچ کر، تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ خالق بھی ایسے شخص کے لئے جود وعطا کے دروازے کھولے رکھتا ہے اور مخلوق بھی کبھی اس سے نظریں نہیں پھیرتی؛ بلکہ لوگ دل کھول کے اس پر خرچ کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

خرچ اخراجات کی حقیقت

اللہ کے یہاں جو خرچ مقبول ہے وہ خلوصِ دل سے محض رضائے خداوندی کے لئے کیا گیا خرچ ہے، جس کے ذریعہ انسان غریبوں کی مدد کرے، پریشان حال لوگوں کے کام آئے۔ اور دینی کاموں میں حصہ لے۔ اور اگر کوئی شخص بدنیتی میں مبتلا ہو کر دکھاوے اور نام ونمود کے لئے خرچ کرے یا فضول خرچی میں ملوث ہو کر الٹے سیدھے شوق پورے کرنے اور دولت کی نمائش کرنے میں پانی کی طرح پیسہ بہائے تو ایسا شخص مجرم ہے، وہ خدا کی دی ہوئی دولت کی ناقدری کر رہا ہے، جس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ایک آیت میں اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ: ''فضول خرچی کرنے والے شیطانی کام کرنے والے ہیں'' گویا وہ رحمٰن کے فرمان بردار نہیں ہیں؛ بلکہ نفس وشیطان کے مکروفریب میں مبتلا ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. (سورۃ الإسراء، آیت: ۲۷)

فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو صرف اپنی رضا کے لئے دینی راہوں میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور فضول خرچی وبدنیتی سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

(۲) وما زاد اللہ عبدًا: نبی کریم علیہ السلام دوسری نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ جو بندہ طاقت وقوت ہونے کے باوجود محض رضائے خداوندی کے لئے بدلہ لینے کے بجائے معاف کردے تو اللہ رب العزت ایسے شخص کو عزت وعظمت سے مالا مال کرے گا۔

آج کل لوگ قوت برداشت کھو بیٹھے ہیں، کبر وغرور اور بڑائی کے چلتے معاف کرنے کا تصور ذہن سے نکلتا جارہا ہے، ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے سے اہم اور بڑا سمجھنے لگا ہے، معاملہ اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ ایک دوسرے کی عزت سے کھلواڑ کرنا، نقصان پہنچانا اور بدلہ لیتے وقت جذبات کی رو میں بہہ کر تمام حدود کو پار کرجانا ایک معمول بنتا جارہا ہے، لوگ اس کو اپنا حق سمجھنے لگے ہیں اور اسی کو شان وشوکت اور عزت وجاہ کی علامت قرار دیا جانے لگا ہے؛ حالانکہ یہ چیزیں ذلت ورسوائی، کشت وخون اور بے عزتی کی بنیاد ہیں، قومِ مسلم کی ناکامی اور ذلت وخواری کے مختلف اسباب میں سے ایک اہم سبب عفو ودرگزر سے کام نہ لینا بھی ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کو معاف کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے؛ کیوں کہ یہ اہلِ جنت کی صفت ہے۔ چنانچہ ایک آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت متقیوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''غصہ کو قابو میں رکھنا اور بدلہ لینے کے بجائے معاف کردینا انسان کے متقی اور جنتی ہونے کی علامت ہے''۔ ارشاد باری ہے:

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ. (آل عمران، آیت: ١٣٤) غصہ کو قابو میں رکھنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے (متقی ہیں)۔

نبی کریم علیہ السلام مذکورہ بالا روایت میں اس کا وعدہ فرمارہے ہیں کہ جو شخص عفو ودرگذر سے کام لے گا اور بدلہ لینے کے بجائے خلقِ خدا کو معاف کرے گا، اللہ رب العزت لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت وعظمت کو بٹھادے گا، گویا ایسے شخص کو دنیا وآخرت دونوں جہاں کی کامیابیاں حاصل ہوجائیں گی، دنیا والوں کے قلوب میں اس کی عظمت بیٹھ جائے گی اور آخرت میں جنتیوں میں اس کا شمار ہوگا۔ اللہ رب العزت ہم سب کو اس عظیم نصیحت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(۳) وما تواضع أحد لله: نبی کریم علیہ السلام تیسری نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب کوئی بندہ محض اللہ کے لئے تواضع اور انکساری کو اختیار کرتا ہے، اللہ رب العزت اس کو سربلندی عطا کرتا ہے، وہ عام لوگوں کی نظروں میں محبوب بنجاتا ہے اور ہر طبقہ کے افراد دل کی گہرائیوں سے اس کو پسند کرنے لگتے ہیں۔

آج کل لوگ یا تو تواضع وانکساری کو عیب سمجھ کر اپناتے ہی نہیں ہیں؛ بلکہ کبروغرور میں مبتلا رہ کر ''ہم چو من دیگرے نیست'' (ہمارے جیسا کوئی نہیں ہے) کا شکار بنے رہتے ہیں۔ اور ہمہ وقت اس بات پر نظر رہتی ہے کہ کون ہمارے ساتھ کیسا معاملہ کررہا ہے، فلاں نے ہم کو سلام کیا کہ نہیں، ہاتھ کیسے ملایا، بات کس طرح کی، ہم کو اہمیت دی کہ نہیں دی اور ہماری رائے کو وقعت دی کہ نہیں دی، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اختلافات ہونے لگتے ہیں، اور ہر ایک ''انا'' کا غلام بن کر بغض وعناد کو ہوا دینے میں لگ جاتا ہے، جب کہ اپنی ذات کو بے حیثیت اور بے وزن سمجھ کر زندگی گذارنے والے کو نہ کبھی کسی سے شکایت ہوتی ہے اور نہ وہ اختلافات کا شکار ہوتا ہے؛ بلکہ پرسکون زندگی سے خدا اس کو مالا مال کرتا ہے۔ اور اگر کچھ لوگ تواضع وانکساری کو اختیار بھی کرتے ہیں تو محض دکھاوے کے لئے دلوں میں بڑائی اور غرور کی گندگی بھری رہتی ہے، جب کہ بظاہر بہت جھک کر ملتے ہیں، ایسے لوگوں کا بھانڈا اس وقت پھوٹتا ہے، جب ان کی ''انا'' کے خلاف کوئی بات سامنے آتی ہے اور وہ قابو سے باہر ہوجاتے ہیں، اس وقت پتہ چلتا ہے کہ ان کے ظاہر وباطن میں کتنا فرق ہے، اور وہ انکساری کو اللہ کے لئے اختیار کرنے کے بجائے محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنائے ہوئے تھے۔

اس لئے نبی کریم علیہ السلام مذکورہ روایت میں تواضع وانکساری کی تاکید کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی وضاحت فرمارہے ہیں کہ محض رضائے خداوندی کے لئے تواضع کو اختیار کرو، تو خدا تم کو سربلندی عطا فرمائے گا۔ اللہ رب العزت ہم سب کو تواضع کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

تیسری قسط

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے

صدموں اور غموں بھرے لمحات

مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

اِسلام کی نشر واشاعت کیلئے مالی قربانی

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہوجانے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نثار کردیا تھا؛ تاہم بعثت رسالت ونبوت سے کچھ پہلے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کا تھوڑا بہت مشغلہ باقی رکھا تھا، جو ذریعہ آمدنی تھا، مگر جب بعثت کا زمانہ قریب آگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ کو بالکل ہی ختم کردیا، اب صرف غارحراء کی عزلت نشینی تھی اور یادِ الٰہی کہ خالق کائنات سے لَو لگائے بیٹھے رہتے، دنیا اوراس کے مال ومتاع سے کوئی سروکار نہ تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مونس وغم خوار تو ابتدا ہی سے تھیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت رسالت ونبوت کے بعد تو دل دہی ودل داری، اور ایثار وقربانی کا وہ باب وا کیا کہ پورے عالم کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہ پہلے موجود تھی نہ اُن کے زمانہ میں دیکھی اور سنی گئی، اور نہ انشاء اللہ قیامت تک پائی جاسکتی ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مالی خدمت کی، اُس کا تذکرہ رب العزت نے خود اپنی کتاب مقدس قرآنِ کریم میں کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَوَجَدَکَ عَآئِلاً فَاَغْنٰی. (الضحیٰ: ۸) اور آپ کو مفلس پایا تو غنی (مال دار) کردیا۔

یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے مال دار بنادیا، آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اس طرح کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضارب ہوگئے، اوراس میں نفع ملا، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرلیا، اور اپنا تمام مال حاضر کردیا۔ (فوائد عثمانی ۷۹۵)

نبوت کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تقریباً اُن کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کے لئے معاش کا ذریعہ بنا رہا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل وعیال کی ضروریات کو مہیا کرنے سے بے فکر ہو کر گم گشتۂ راہ انسانوں کو خداوند قدوس کی وحدانیت کا سبق پڑھاتے رہے، اور اُن کو راہِ راست پر لا کر دین و دنیا دونوں کی کامیابیاں اُن کے قدموں میں ڈالتے رہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف فکر معاش سے ہی سبک دوش نہیں کیا؛ بلکہ وہ اسلام کی تبلیغ وترویج اور نشر واشاعت میں بھی خوب کام آتا رہا، چناں چہ ان کے احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ انہوں نے مالکانہ طور پر اپنا مال میرے حوالہ کر دیا تو میں نے راہِ خدا میں اسے دین کی نشر واشاعت کے لئے خرچ کیا۔

ایک عظیم تحفہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ملک یمن کے ایک معزز قبیلہ بنو قضاعہ کی شاخ بنو کلب کے چشم وچراغ تھے، بچپن میں اپنی والدہ کے ساتھ نانہیال جا رہے تھے، راستہ میں رہزنوں نے زبردستی اپنی قید میں لے کر غلام بنا لیا، اور ''سوقِ عکاظ'' میں لا کر فروخت کر دیا، ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے چار سو درہم کے عوض انہیں اپنی پھوپھی کے لئے خرید لیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن کے یہاں حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا، تو ان کی عادات واَطوار سے حد درجہ متأثر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے والہانہ محبت ہو گئی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت زید رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا علم ہوا، تو فوراً انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں دے دیا، اور یہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ثریٰ سے ثریا پر پہنچانے کا خدائی انتظام تھا، چناں چہ جلد ہی وہ وقت آ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا، اور پھر وہ سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدہ حضرت خدیجہ طاہرہ اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ روئے زمین پر آسمانی خلافت ونیابت کی تعمیر میں خشت اَولیں کی حیثیت سے داخل ہوئے، اور سابقین اولین میں سے ہونے کا امتیازی تمغہ اُن کے شانوں پر آویزاں ہو گیا، اور پھر

دین اسلام کی نشر واشاعت اوراس کی تعمیر وترقی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست وبازو بنے،اور پوری زندگی کواسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وقف کر کے وہ کارہائے نمایاں انجام دئے کہ اُن کی تابانی آج بھی تاریخ کے اَوراق کا ایک منور باب ہے،جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تمام تر خدمات اِسلامی بالواسطہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دامن مراد سے ہی وابستہ ہیں کہ یہ دُرِّ آب دارانہیں کے واسطہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں آیا تھا۔

ذہنی اورجسمانی تکالیف کا برداشت کرنا

سابقہ اَوراق میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ ام المؤمنین سیدتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد مکہ مکرمہ کے ایک کامیاب اورمعزز تاجر تھے، لاکھوں کا سرمایہ اُن کی ملکیت میں موجود تھا،اُن کی زندگی ہی میں تجارتی معاملہ کی دیکھ ریکھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ آگئی تھی،اوراُن کے انتقال کے بعد پورے سرمایہ کی وہی مالک بنیں،نہایت کامیابی کے ساتھ انہوں نے کاروبارتجارت کوفروغ دیا،وہ پورے مکہ مکرمہ میں سب سے زیادہ متمول اورسرمایہ دار خاتون تھیں،حزن وملال،رنج وغم اورفقروفاقہ سے کبھی دوچار نہیں ہوئی تھیں؛ کیوں کہ اس دنیا میں راحت وآرام اورعیش وعشرت کی گود میں ہی آنکھیں کھولیں،اوراسی میں پل بڑھ کر جوان ہوئی تھیں،اوردن بدن ان کے اقبال کا ستارہ بلندی ہی کی طرف بڑھتا جارہا تھا،اور پھرایک مبارک ساعت ایسی آئی کہ انہیں حقیقی جوہرانسانیت کی تلاش ہوئی، جو مال ومنال اور جاہ وجلال میں نہیں ملا کرتا،اسی وجہ سے انہوں نے مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے لکھ پتی اور جاہ وجلال والے سرداروں کے پیغامِ نکاح کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا،اورخود سے نیازمندانہ پیش کش کرکے عبداللہ کے یتیم بیٹے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہوگئیں،جن کے یہاں نہ مال ومنال تھا،نہ جاہ وجلال؛ البتہ حقیقی جوہر انسانیت موجود تھا،جس کی انہیں تلاش تھی، جب جوہرِ مطلوب انہیں حاصل ہوگیا،اور پھرام المؤمنین ہونے کا شرف بھی،تو نہ مال ومتاع کی پرواباقی رہی اور نہ ناز ونعم اورعیش وعشرت کی،اب سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرقربان تھا،اوردین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف، حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اوراسلام کی نشر واشاعت کی پاداش میں ذہنی اورجسمانی ہرقسم کی تکالیف برداشت کیں،مگرکبھی حرفِ شکایت زبان پرنہ آنے دیا؛ بلکہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے کو

امتحان وآزمائش کی بھٹی میں ڈالتی رہیں، اور اپنی فکر کے بجائے ہمیشہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا غم کھاتی رہیں، اپنی دلدہی ودل داری اور تسلی وتشفی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بڑھاتی رہیں۔

حضور ﷺ کا بائیکاٹ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ثبات قدمی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام کی تبلیغ واشاعت سے باز رکھنے کے لئے مشرکین مکہ اپنی تمام تر اِمکانی تدابیر اختیار کر کے تھک گئے، اور پوری طاقت وقوت صرف کردینے کے باوجود اِسلام کی تبلیغ سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہوسکے، تو طمع ولالچ کا حربہ استعمال کرنا شروع کیا، مگر اس میں بھی جب ان کو کامیابی نہ مل سکی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتویں سال یہ بدبختانہ اور ظالمانہ فیصلہ کیا کہ ''بنو ہاشم'' اور بنی عبدالمطلب کا سوشل بائیکاٹ کردیا جائے، اہل مکہ میں سے نہ تو کوئی اُن سے میل جول رکھے، اور نہ اُن سے لین دین کا کوئی معاملہ کرے؛ تاآں کہ وہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کے لئے ہمارے حوالہ کردیں، اور اِس معاہدہ کو محض زبانی باقی رکھنے پر اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ تحریری دستاویز بنا کر مؤکد کردیا، اور ''خانۂ کعبہ'' کے دروازہ پر آویزاں کردیا؛ تاکہ ہر شخص اُس کا مکمل پاس ولحاظ رکھے، اور کوئی خلاف ورزی کی جرأت نہ کرسکے، ''بنو ہاشم'' اور ''بنو عبدالمطلب'' کے خلاف مشرکین مکہ کے اس متفقہ معاہدہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مع اہل وعیال، اور مذکورہ دونوں خاندانوں میں سے معدودے چند کے علاوہ تمام افراد مجبوراً مکہ مکرمہ سے باہر دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ایک گھاٹی میں چلے گئے، اور تین سال کا طویل زمانہ نہایت شدت وسختی، اور کس مپرسی کے ساتھ اسی گھاٹی میں بسر کیا، جو ''شعب ابی طالب'' کے نام سے جانی جاتی ہے، محاصرہ کے اس زمانہ میں فقر وفاقہ اور بھوک کی شدت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی۔ مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے اور بچے بلبلا اُٹھے، جانوروں کی کھالیں اور درختوں کے خشک پتوں تک کے کھانے کی نوبت آگئی، مسلسل کئی کئی دن کے فاقے گذرنے لگے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس صبر آزما کٹھن گھڑی میں مضبوط چٹان کی طرح ثابت قدم رہیں، اور ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کے حاشیہ خیال میں یہ وسوسہ پیدا نہیں ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو ترک کرکے اپنے خاندان والوں میں چلی جائیں؛ بلکہ اپنا سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کی نشر واشاعت میں قربان کرکے تین سال تک ہر قسم کے آلام ومصائب کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت

کرتی رہیں، اور کبھی حرفِ شکایت کا زبان پر لانا تو درکنار؛ دل میں اس کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا، اور شکایت کا خیال آتا بھی کیوں؟ کہ جس جوہر انسانیت کی انہیں تلاش تھی وہ مل چکا تھا، شقی القلب مشرکین نے اس قدر سخت پابندی لگا رکھی تھی کہ ''شعب ابی طالب'' میں محصور لوگوں کے پاس نہ کوئی چیز آسکتی تھی، اور نہ مکہ مکرمہ کے بازار سے وہ خرید سکتے تھے، اگر خفیہ طور پر کوئی کچھ بھیجنا چاہتا تو وہ رات کی تاریکی میں چھپا کر ہی بھیج سکتا تھا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنے غلام کے ہاتھ کچھ کھانے کی چیز اپنی پھوپھی کے پاس اس گھاٹی میں بھجوائی، ملعون ابوجہل جو ہر وقت گھات لگائے نگرانی کرتا رہتا تھا، پاس ہی میں کہیں موجود تھا، اس نے دیکھ لیا، سامان چھین لینے کی کوشش کی، مکہ مکرمہ کا ایک رئیس ''ابوالبختری'' اتفاقاً وہاں پہنچ گیا، وہ اگر چہ مشرک تھا، مگر نہایت رحم دل انسان تھا، اس نے ابوجہل کو ملامت کی کہ ایک شخص اگر اپنی پھوپھی کے پاس کھانے کی کچھ معمولی چیزیں بھیج رہا ہے تو تمہارا کیا جاتا ہے کیوں کہ اس میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہو؟

بائیکاٹ کا خاتمہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ بنوہاشم و بنوعبدالمطلب کا بائیکاٹ تین سال تک تو باقی رہا، مگر پھر مشرکین مکہ میں ہی اختلاف پیدا ہوگیا، کچھ نیک طبیعت تو ابتداء ہی سے مخالف تھے، اور کئی ایک کو بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا، تو وہ بھی مخالف ہوگئے، اِدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد واِعانت کا خدائی انتظام یہ ہوا کہ لفظ ''اللہ'' کو چھوڑ کر معاہدہ کی تحریر کو دیمک کے کیڑے نے چاٹ کر ختم کردیا۔

چناں چہ ایک دن ہشام عامری جو خاندان بنوہاشم کا قریبی رشتہ دار تھا، اور اپنے قبیلہ کا ایک ممتاز ومعزز فرد تھا، اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے نواسے زہیر کو للکارا کہ یہ کیا بے مروتی ہے کہ تم تو آرام سے کھاؤ پیو، اور تمہارے ماموؤں کو ایک دانہ بھی نصیب نہ ہو، زہیر نے کہا کہ کیا کروں تنہا ہوں، اگر کوئی ایک شخص بھی ساتھ دینے کے لئے تیار ہو تو اِس ظالمانہ معاہدہ کو چاک کرکے پھینک دوں، زہیر کے اِن جرأت مندانہ کلمات کو سن کر ہشام عامری نے کہا کہ میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں، پھر دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے، وہ پہلے ہی سے تیار تھا، اور ابن ہشام بھی ان کا ہم نوا ہوگیا، زمعہ بن

اَسودتو ابتدا ہی سے مخالف تھا، اب یہ سب جمع ہوکر ’’حرمِ کعبہ‘‘ گئے، اورعہد نامہ کو چاک کر کے معاہدہ کوختم کردینے کی بات کی، ابوجہل نے مخالفت کی، مگراس کی پروانہ کرتے ہوئے مطعم بن عدی نے اُسے اُتارکر چاک کردیا، اس طرح تین سال کے بعد خاندانِ بنی ہاشم کے خلاف مقاطعہ کے ظالمانہ معاہدہ کا اختتام ہوا، اور حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم بشمول بنی ہاشم وبنی عبدالمطلب اور زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ’’شعب ابی طالب‘‘ سے نکل کرمکہ مکرمہ اپنے مکان پرواپس تشریف لائے۔(البدایہ والنہایہ ۳/۹۷)

مونس وغم خوار بیوی حضرت خدیجہؓ کا وصال

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پیمانہ حیات اب لبریز ہو چکا تھا، اُن کی حیات مستعار کے بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے تھے، چناں چہ رمضان ۱۰ رنبوی میں حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ منورہ سے تقریباً تین سال قبل وہ اس عالم فانی سے عالم جاودانی کے سفر پرروانہ ہوگئیں۔اناللہ واناالیہ راجعون۔

نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہ ہوئی تھی، اس لئے غسل دے کرکفن پہنادیا گیا، اورلوگ جنازہ لے کر اَبدی آرام گاہ کی طرف چل پڑے، حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس قبر میں اُترے اوراپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں لحد میں رکھ کرسپرد خاک کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبرمقام ’’حجون‘‘ میں پہاڑ کے اوپر آج بھی نمایاں اورممتاز ہے، جہاں اُن کی روحانی اولادیں بیشتر اَوقات فاتحہ خوانی اور ایصالِ ثواب کے ذریعہ انہیں عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کرتی رہتی ہیں، اورانشاءاللہ العزیز قیامت تک پیش کرتی رہیں گی۔(الاصابہ ۴/۲۸۴۸)

خداوندا! تو ان کی قبرمبارک کواَنوار وتجلیات سے بھردے اوراپنی شایانِ شان اپنے خزانۂ غیب سے ان کی خدمات کا بہترین بدلہ عطافرما، حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہونے کے وقت ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی، پچیس سال تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہیں، اور ۶۵ ربرس کی عمر میں عالم فنا سے عالم بقا کوسدھارگئیں۔(حاشیہ:البدایہ والنہایہ ۳/۱۰۲)

غموں اورصدموں کا سال

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے حضورصلی اللہ علیہ وسلم پرکوہِ رنج واَلم ٹوٹ پڑا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی مونس وغم خوار اورمعین ومددگارتھیں، اُن کی وفات کے بعد مشرکین مکہ کو

کسی کا پاس ولحاظ باقی نہیں رہ گیا تھا؛ لہٰذا اَب اُنہوں نے غایت درجہ سنگ دلی اور بے رحمی کا مظاہرہ کرنا شروع کردیا تھا، چناں چہ ایک دن سرراہ ایک شقی القلب نے کوڑا کرکٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہائے مبارک پر ڈال دیا، بدبخت ''عقبہ بن ابی معیط'' کے اونٹ کی پوری اوجھ لاکر بحالت نماز آپ کے جسم اطہر پر ڈال دینے کا واقعہ بھی ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ہی پیش آیا ہے۔

صورتِ حال اس قدر خراب ہوگئی تھی کہ مکہ مکرمہ والوں سے اَب قطعی مایوسی ہوگئی تھی؛ لہٰذا تبلیغ اسلام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ۸۰؍میل دور ''طائف'' تشریف لے گئے، مگر اہل طائف نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی بدبختانہ معاملہ کیا اور وہاں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مایوس واپس آنا پڑا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے کچھ پہلے یا چند دنوں بعد مشفق چچا خواجہ ابوطالب کا بھی انتقال ہوگیا تھا، خاندانِ بنی ہاشم میں یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے ظاہری معین ومددگار اور پشتیبان تھے، اس لئے اس سال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عام الحزن'' یعنی رنج والم کا سال قرار دیا۔

امتیازات وخصوصیات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات میں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو چند ایسی خصوصیات حاصل ہیں کہ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اور بیوی ان کی شریک وسہیم نہیں ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خصوصی امتیازات یہ ہیں:

(۱) وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی زوجۂ مطہرہ ہیں۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں داخل ہونے کے وقت ان کی عمر چالیس برس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس برس تھی، بقیہ تمام ازواجِ مطہرات باعتبار عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹی تھیں۔ (۳) عمر میں کافی تفاوت کے باوجود اُن کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ (۴) بجز حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اَولادیں انہیں کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ (۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت ونبوت کے بعد وہی سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ (۶) اپنا پورا سرمایہ وقف کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاش کی فکر سے آزاد کردیا۔ (۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم

رب کائنات کے فرستادہ آخری نبی ورسول ہیں، اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی وتشفی کے واسطے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ تگ ودو کی، اور جن اعلیٰ صفاتِ محمودہ کا تذکرہ کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکون اور اطمینان خاطر کا سامان فراہم کیا، نیز اپنی ذہانت وفطانت اور جودت طبع سے قلب اطہر کو تشویشات میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنے کا جو طریقہ اختیار کیا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کی تصدیق کی، اور پھر کتبِ سماوی کے نہایت معتبر عالم اور چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، اُن سے تسلی وتشفی کے کلمات کہلوائے، اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے ناموس کو ناموس برحق قرار دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کی۔ (۸) منصب نبوت ورسالت پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو انہوں نے ہی دیکھا، اور نظر نبوت سب سے پہلے انہیں کے روئے زیبا پر پڑی۔ (۹) خداوند قدوس نے انہیں اپنے ہدیۂ سلام سے اعزاز بخشا، (۱۰) اور جنت میں موتی کے ایک محل کی خوش خبری سے نوازا۔

یہ وہ اَوصاف ہیں کہ اُن میں اَزواجِ مطہرات میں سے کوئی زوجہ بھی اُن کی شریک وسہیم نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے دل میں حضرت خدیجہؓ کی محبت

جس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتی تھیں کہ تن، من، دھن، سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، اور انتہائی ثروت وتمول کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام بذاتِ خود کرنے کو اپنی سعادت وخوش بختی سمجھتی رہیں، اور دین اسلام کی ترویج واِشاعت کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی رہیں، مگر جبین عقیدت ومحبت پر شکن نہ آنے دی، اِسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کو حد درجہ محبوب رکھتے تھے، اور عمر میں اِس تفاوت کے باوجود کہ وہ کم از کم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ برس بڑی تھیں، جس پیار ومحبت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو چاہا اور قدر کی، نیز اُن کی وفات پر جس غم وحزن کا اظہار فرمایا، اور پھر تا زندگی جس والہانہ انداز میں اُن کا تذکرہ فرماتے رہے، اور جس طرح اُن کے اَعزہ واَقارب اور تعلق رکھنے والوں کا پاس ولحاظ فرماتے رہے، وہ صفحۂ تاریخ کا ایک اَچھوتا باب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی حیات میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، اور اُن کی وفات کے بعد پوری حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ گھر میں

جب کوئی جانور وغیرہ ذبح ہوتا، تو نہایت اہتمام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی سہیلیوں کے یہاں گوشت بھجوایا کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے رنجیدہ کیا، میں نے کہا کہ کیا ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑھیا کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''مجھ کو اُن کی محبت عطا کی گئی ہے''۔ (مسلم شریف ۲؍۲۵۴)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اُعزہ میں سے اگر کوئی آجاتا، تو فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اُن کی یاد تازہ ہوجاتی، چناں چہ ایک مرتبہ اُن کی بہن حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آئیں، اور اسلامی قاعدہ کے مطابق اندر حجرہ میں داخل ہونے کی اِجازت طلب کی، اُن کی آواز چوں کہ بہن کی آواز سے بالکل ملتی تھی، جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے قراری کی کیفیت طاری ہوگئی، اور یہ کہتے ہوئے تیزی کے ساتھ اٹھے کہ: ''خدا کی قسم ہالہ معلوم ہوتی ہے''۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جو وہاں موجود تھیں، بڑا رشک آیا، وہ کہنے لگیں کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر وقت قریش کی ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں کہ جس کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے گر گئے تھے، اور مرے ہوئے بھی ایک زمانہ گذر گیا، اور خداوند قدوس نے آپ کو اس سے عمدہ بیویاں عطا کردیں''۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد خود اُن کی اپنی ذات تھی کہ وہ کم سن بھی تھیں، اور خوبصورت بھی، ساتھ ہی زیورِ فہم وفراست سے بھی مکمل آراستہ تھیں) (بخاری شریف ۱؍۵۳۹ رقم: ۳۶۸۴، مسلم شریف ۲؍۲۸۴)

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کامل پچیس برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں، مگر اِس طویل مدتِ رفاقت میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے درمیان کبھی کسی طرح کی تلخی اور کشیدگی پیش آئی ہو؛ بلکہ پورا زمانۂ رفاقت ومصاحبت نہایت لطف ومحبت اور باہمی ہمدردی کے ساتھ بسر ہوا۔ (جاری)

❍❖❍

دنیا میں کیا کیا ہوگا؟

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین واستاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

مسجدیں بہت عالیشان ہوں گی لیکن......

(۵) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعِةِ أنْ تُزَخْرَفَ الْمَحَارِيْبُ و تُخْرَبَ الْقُلُوْبُ و إنَّ مِنْ أَشْرَاطِهَا أنْ يُكَنَّفَ الْمَسَاجِدُ وَ تَعْلُوْ الْمَنَابِرُ. (المعجم الكبير ۲۲۹/۱)

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ محرابیں سجائی جائیں گی اور دل ویران ہوں گے، مسجدوں کے احاطے عالیشان بنائے جائیں گے اور اونچے اونچے منبر رکھے جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ مسجدوں میں بہت پیسا لگایا جائے گا، عالیشان مسجدیں بنائی جائیں گی، محراب و منبر کو سجایا جائے گا، بہترین قالینیں بچھائی جائیں گی، مسجد میں داخل ہونے کے بعد ایسا محسوس ہوگا کہ بہت عالیشان محل کے اندر ہم آگئے، لیکن دل ویران ہو چکے ہوں گے، جن دلوں کے اندر اللہ کی محبت اور معرفت کا نور اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام کی عظمت کے جذبات ہونے چاہیے تھے، ان کے اندر دنیا کی محبت اس طرح بیٹھ گئی ہوگی کہ کسی اور محبت کی جگہ باقی ہی نہ رہے گی، یہی مطلب ہے دلوں کی ویرانی اور مردہ ہونے کا، زندہ دل وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی یاد سے معمور ومنور رہتے ہیں اور مردہ دل وہ کہلاتے ہیں جن کو کبھی اللہ کی یاد نہیں آتی، مسلمان کا دل تو ایسا ہونا چاہیے کہ اگر اس کی زبان خاموش بھی ہے تو دل اللہ کا ذکر کر رہا ہو، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کی اسی انداز میں تربیت فرمائی، حضرات مشائخ بھی اپنے مسترشدین کی اسی طرح تربیت فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کا دل جاری ہوجاتا ہے یعنی وہ ذکر کے اتنے عادی ہوجاتے ہیں کہ اگر وہ سو بھی رہے ہیں تو اگر آپ ان کے سینے پر کان رکھ کر سنیں گے تو ان کے دل سے اللہ اللہ کی آواز آرہی ہوگی، ایسے دل زندہ کہلاتے ہیں کہ وہ ہر حال میں اللہ کے ذکر سے معمور ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی صورت حال یہی تھی، حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں:

كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ. آپ ہمہ وقت اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

(سنن ترمذی ۱۷۲/۲)

کوئی لمحہ ایسا نہیں جاتا تھا جو ذکر سے خالی ہو، یہاں تک کہ آپ جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے اور فارغ ہوکر واپس آتے تو آپ کی زبان پر ایک جملہ ہوتا ''غفرانک'' اے اللہ معاف فرما۔

حضرات محدثین نے یہاں پر کلام کیا ہے کہ یہ موقع معافی مانگنے کا کیسے ہے؟ معافی تو اس وقت مانگی جاتی ہے جب کوئی گناہ سرزد ہو یا کسی کوتاہی کا ارتکاب ہوا ہو اور یہاں تو کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ دراصل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہمہ وقت اپنی زبان سے اللہ کا ذکر کرنے کا تھا، دل اور زبان ذکر الٰہی میں مستغرق اور ڈوبے رہا کرتے تھے لیکن جب چند لمحات کے لیے قضائے حاجت کے واسطے تشریف لے جاتے تو ادباً آپ کی زبان ذکر سے رُک جاتی تھی، یہ جو چند منٹ کے لیے زبان رکی ہے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی پر اللہ سے معافی مانگ رہے ہیں۔ اے اللہ معاف فرما، اللہ اکبر! حیرت ہے کہ کس درجے کے ذکر الٰہی کا جذبہ اور استحضار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا تھا، اس کے بالمقابل ہم جیسے گنہگاروں کی صورت حال یہ ہے کہ عمر کا بیشتر حصہ غفلت میں گزر جاتا ہے اور پھر بھی بارگاہ الٰہی میں طالب مغفرت بننے کی توفیق نہیں ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ مسجدیں تو بڑی آراستہ اور عالیشان ہوں گی؛ لیکن دل ویران ہوں گے، جس کے نتیجے میں مسجدوں کا حق ادا کرنے والے انگلیوں پر شمار کیے جائیں گے، یہ صورت حال، آج دنیا کے اندر دکھائی دیتی ہے، ماشاء اللہ بہت مسجدیں بن رہی ہیں اور ہر طرح کی ضروریات سے، اسباب راحت سے مسجدوں کو مزین بھی کیا جارہا ہے؛ لیکن مسجد کے آس پاس رہنے والوں کو جس پابندی کے ساتھ جماعت میں شریک ہونا چاہئے، وہ پابندی ہمارے اندر دکھائی نہیں دیتی، صحیح کہا شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے:

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی ❖ فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے ❖ یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

اگر وہ افراد کہ جن پر نماز فرض ہے، وقت پر اپنی مسجدوں کے اندر نماز پڑھنے والے بن جائیں تو ہماری یہ مسجدیں تنگ پڑ جائیں، جمعہ کے دن محلّہ کی مسجدوں میں سب نہیں آپاتے ادھر اُدھر کی مسجدوں کا رُخ کرتے ہیں لیکن عام نمازوں کے اندر ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے، جو مسجدوں کا رُخ ہی نہیں کرتی، سوائے چند اللہ کے بندوں کے جو پنجوقتہ نمازوں کی پابندی کرنے والے ہیں، خاص طور سے فجر کی نمازوں میں محلّہ کی مسجدوں کے اندر تو بہت ہی کم نمازی دکھائی دیتے ہیں، اس پر توجہ اور فکرمندی کی ضرورت ہے، خاص طور سے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اس بات کا عزم مصمم کریں کہ پابندی کے ساتھ باجماعت پانچوں وقت کی نمازیں پڑھیں گے، اللہ ہمیں ان سب باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آبادیاں اجاڑی جائیں گی

(۶) چھٹی چیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمائی:

إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُعْمَرَ خَرَابُ الدُّنْيَا وَ يُخْرَبَ عُمْرَانُهَا. (المعجم الكبير للطبراني ۲۲۹/۱۰)

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ دنیا کے ویران اور غیر آباد علاقے رہائش کے لائق بنائے جائیں گے، اور انسانی آبادیوں کو اجاڑ دیا جائے گا۔

دنیا کے موجودہ منظر نامہ کو دیکھتے ہوئے قیامت کی یہ نشانی بالکل واضح ہے، نئی نئی ٹیکنالوجی استعمال کرکے بنجر زمینوں کو قابل کاشت اور بے آب وگیاہ علاقوں کو قابل رہائش بنایا جارہا ہے، جنگلات کو ختم کرکے شہر بسائے جارہے ہیں، پہاڑوں کو منہدم کرکے کالونیاں تعمیر کی جارہی ہیں۔

دوسری طرف انسانی جانوں کی ارزانی کا یہ عالم ہے کہ محض اپنی برتری ثابت کرنے اور ہر حال میں اقتدار پر قابض رہنے کے نشہ میں بے گناہوں پر بمباری کرکے، مہلک گیس کے گولے چھوڑ کر ہزاروں انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے اور ان کی بلند وبالا عمارتوں کو زمین بوس کرکے کھنڈر میں تبدیل کیا جارہا ہے، کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جو حوادث کا شکار ہوکر ایسی ویرانی میں بدل گئیں کہ آج دنیا کے نقشے پر ان کا کوئی نام ونشان نہیں۔

دین داروں کو حقیر سمجھا جائے گا

(۷) ساتویں چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی:

إِنَّ مِـنْ أَشْـرَاطِ السَّـاعَةِ أَنْ يَـكُـوْنَ الْـمُـوْمِـنُ فِـي الْقَبِيْلَةِ أَذَلَّ مِنَ النَّقَدِ

قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ دیندار مسلمان اپنے قبیلے میں بھیڑ بکری سے زیادہ حقیر سمجھا جانے لگے گا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰/ ۲۹۹)

آج کا دور اس حق بیانی کا شاہد ہے کہ مال و دولت، عہدہ و منصب اور ظاہری جاہ و حشم کا حصول ہماری تمام تر توانائیوں کا مرکز بن چکا ہے اور ایسے ہی لوگ ہماری نگاہ میں قابل توجہ ہوتے ہیں۔ دین کے تقاضوں پر عمل کرنے والے اور اسلامی وضع اختیار کرنے والے لوگوں کو مادیت پرستی کے اس دور میں نام نہاد روشن خیالوں کی حقارت آمیز نگاہوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ دیندار اور باشرع لوگوں کی رائے اور مشوروں کو اہمیت نہیں دیتے اور ان کو فرسودہ خیالات اور قدیم نظریات کا حامل بنا کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہم جنس پرستی کا دور دورہ ہوگا

(۸) آٹھویں چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی:

إِنَّ مِـنْ اَشْـرَاطِ السَّـاعَةِ وَعَلَامَاتِهَا أَنْ يَّـكْـتَـفِـيَ الـرِّجَـالُ بِـالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ. (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰/۲۹۹)

قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ مرد مردوں سے اور عورت عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے نظام فطرت کے مطابق ہر انسان کے لیے انسانوں ہی میں سے ایک جوڑی دار بنایا ہے۔ اگر مرد ہے تو اس کے لیے صنف عورت کو جوڑی دار بنایا گیا ہے اور اگر عورت ہے تو اس کے لیے مرد کو جوڑی دار، شریک زندگی اور رفیق حیات بنایا گیا ہے اور یہ سلسلہ اسی وقت سے قائم ہے جب سے اللہ رب العزت والجلال نے دنیا کے اس نظام کا آغاز فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی، اور جنت کو ان کا مسکن اور رہائش گاہ بنا گیا۔ تمام اسباب راحت کے موجود ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کی شکل میں حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ایک جوڑی دار بھی پیدا کیا، اس جوڑی کا مقصد جہاں زندگی کا سکون و اطمینان اور راحت ہے وہیں ایک عظیم مقصد افزائش نسل ہے، اللہ نے اسی تعلق کو ذریعہ بنا دیا ہے دنیا کی بقاء اور نئے افراد کے اس دنیا میں آنے کا۔ اللہ نے اپنے نظام کے مطابق ایک صنف کو دوسری صنف کی طرف میلان عطا کیا اور پھر آزاد نہیں چھوڑا کہ جس کو چاہیں اپنا بنالیں نہیں، بلکہ

باری تعالیٰ نے حدود قائم فرمادئے، نظام بنادیا، دستور بنادیا کہ اس نظام اور دستور کے اعتبار سے ایک مرد ایک عورت کو اپنا بنانا چاہے تو دائرے میں رہ کر اسے اپنا بنا سکتا ہے، اس دائرے سے اگر وہ باہر جائے گا تو نظام شریعت کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا، مجرم اور گناہگار قرار دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے وہ حلال ذرائع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے امت کو بتا دئے ہیں جن کو اختیار کر کے انسان اپنی فطری ضرورت کو بھی پوری کرسکتا ہے اور جو مقصد ہے اس جوڑے کا یعنی افزائش نسل بھی پورا ہوسکتا ہے۔

کچھ لوگ دنیا میں ایسے ہوتے ہیں جو فطرت کے اس نظام سے بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں۔ دیگر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیم کے زمانے میں بھی اس طرح کے لوگ پائے جاتے رہے، قریب کے زمانوں میں بھی پائے جاتے رہے اور آج کے دور میں بھی اس طرح کے لوگوں کی بڑی تعداد ہے جو فطرت کے اس نظام سے بغاوت کے اوپر آمادہ اور کمر بستہ دکھائی دیتے ہیں۔ نظام فطرت یہ ہے کہ مرد کی جوڑی عورت کے ساتھ بنے گی اور عورت کی جوڑی مرد کے ساتھ بنے گی، دو مردوں کی جوڑی نہیں بنے گی، دو عورتوں کی جوڑی نہیں بنے گی، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ دور میں ایک طبقہ ہے جو اس بات کا شدت کے ساتھ مطالبہ کر رہا ہے کہ قانونی طور پر ہم جنسی کی اجازت دے دی جائے، مرد جس مرد کو اپنا جوڑی دار بنانا چاہے قانون اسے اپنی گرفت میں نہ لے سکے، عورت جس عورت کو اپنا جوڑی دار بنانا چاہے تو کوئی اس پر انگلی نہ اُٹھا سکے اور مغربی ممالک میں یہ قانون پاس بھی ہو چکا ہے اور وہاں ہم جنسی قانوناً کوئی جرم بھی نہیں ہے، اب ہندوستان جیسے ملک میں جو بزرگوں کی رہائش گاہ اور اکابر کی روحانی توجہات کا مرکز ہے، اسی نظام کو نافذ کر کے قانونی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے، لیکن جب تک ہماری غیرت وحمیت بیدار رہے گی اور مضبوطی کے ساتھ ہم دین پر قائم رہیں گے تو ان شاء اللہ اس طرح کی کوئی چیز قانونی حیثیت اختیار نہیں کر پائے گی۔

یہ وہ بدترین عمل ہے جس کا نقصان صرف اس انسان کو ہی نہیں ہوتا جو اس بدعملی کے اندر ملوث ہو بلکہ پورا معاشرہ اس عمل سے متأثر ہو جاتا ہے۔ حضرت لوطؑ کی قوم میں یہ عمل پایا جاتا تھا، حضرت لوطؑ نے ان کو بہت سمجھایا لیکن قوم نہ مانی نتیجتاً عذاب خداوندی کا سامنا کرنا پڑا قرآن کریم نے اس واقعہ کو ذکر کیا۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ. (سورۂ عنکبوت آیت ۲۸)

یاد کیجیے لوطؑ کے زمانے کو جب انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ کہا کہ تم لوگ ایسی بے حیائی کا ارتکاب کر رہے ہو جسے آج تک دنیا میں کسی نے کیا ہی نہیں۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُوْنِ النِّسَاءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُوْنَ . (سورۂ اعراف آیت ۸۱)

تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی ضرورت پوری کر رہے ہو تم تو حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

وہ قوم جس کو حضرت لوطؑ کی اس بات کو ماننا چاہیے تھا وہ جرم اور گناہ کے اندر ایسے ڈوبے ہوئے تھے اور بد عملی کے ایسے عادی اور رسیہ بنے ہوئے تھے کہ حضرت لوطؑ کی اس نصیحت پر انھوں نے کان نہیں دھرے بلکہ الٹا یہ کہنے لگے کہ یہ لوگ بڑے ناصح و پاکیزہ بن رہے ہیں بڑی طہارت و پارسائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں ان سب کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یعنی حضرت لوطؑ اور ان کے ہمنوا جو لوگ تھے، ان کے خلاف پوری قوم میدان میں آ گئی کہ جو ہم کو اس عمل سے روکنے کی کشش کر رہے ہیں ہم ان پاکباز لوگوں کو اپنی بستی میں نہیں رہنے دیں گے، نتیجہ کیا ہوا خالق ارض وسماء کو جلال آ گیا باری تعالیٰ کو ایسا غصہ آیا کہ آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی اور ان سب ملعونوں کو تہس نہس کر دیا گیا، زمین کو ان کے وجود سے پاک کر دیا گیا۔ اللہ نے اس بد عملی کی پاداش میں سخت ترین عذاب کا انہیں مزا چکھایا اور اس عذاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انسانوں کو یہ سبق دے دیا ہے کہ اگر اجتماعی طور پر کسی بھی انسانی معاشرے کے اندر اس طرح کے جرائم پائے جائیں گے تو جو انجام حضرت لوطؑ کی قوم کا ہوا ہے اسی طرح کا خمیازہ اس انسانی معاشرے کو بھی بھگتنا پڑ سکتا ہے، آج کی دنیا پھر اس طرح کی بد عملیوں کو ہوا دے کر اللہ رب العزت والجلال کے غصہ کو دعوت دے رہی ہے او جس دن باری تعالیٰ اپنے غصہ کا اظہار فرما دیں گے، انتقام لینے پر آمادہ ہونگے تو کوئی طاقت اللہ کو اس کے فیصلے سے ہٹا نہیں سکتی۔

ہم جنسی کی سزا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت قسم کی وعیدیں بیان فرمائی ہیں ایسے مردوں کے سلسلے میں جو مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہوں اور ایسی عورتوں کے سلسلے میں جو عورتوں سے اپنی خواہش پوری کرتی ہوں۔ ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو تم قوم لوط کا سا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل

يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمَ لُوْطٍ، فَاقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ (سنن ابوداؤد ٤٤٦٢)

اور مفعول دونوں کو مارڈالو۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ: أَرْبَعَةٌ يُصْبِحُوْنَ فِيْ غَضَبِ اللهِ وَيَمْسُوْنَ فِيْ سَخَطِ اللهِ قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ اَلْمُتَشَبِّهُوْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتُ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ، وَالَّذِيْ يَاْتِي الْبَهِيْمَةَ، وَالَّذِيْ يَاتِيْ الرِّجَالَ (رواه الطبراني ٦٨٥٤)

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں چار آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے غصہ میں صبح کرتے ہیں اور اللہ کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں، میں نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: (۱) عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مرد۔ (۲) مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتیں ۔(۳) چوپائے سے خواہش پوری کرنے والا انسان۔ (۴) ہم جنس پرستی کرنے والا یعنی ایسا مرد جو دوسرے مرد سے اپنی خواہش پوری کرتا ہو۔

آپؐ ارشاد فرماتے ہیں:

لاَ يَنْظُرُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ إِلٰى رَجُلٍ أَتٰى رَجُلاً . (سنن ترمذی ١٥٦٥)

اللہ تعالیٰ رحمت کی نگاہ نہیں ڈالتے ایسے مرد پر جو ضرورت پوری کرنے کے لیے مرد کے پاس آتا ہے

علامہ ابن القیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے نام خط لکھا تھا کہ عرب کے فلاں علاقہ میں کچھ لوگ ہیں جو مردوں سے عورت کی طرح نکاح کرتے ہیں (یعنی ہم جنسی کرتے ہیں) حضرت ابوبکرؓ نے اس سلسلہ میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا، ان میں حضرت علی بن ابی طالبؓ بھی تھے، آپ کی رائے سب سے سخت تھی، آپ نے فرمایا: یہ ایسا قبیح ترین جرم ہے جسے دنیا میں صرف ایک قوم نے کیا تھا، اسے اللہ تعالیٰ نے جو سزا دی وہ آپ لوگ جانتے ہیں، میری رائے یہ ہے کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو جوابی خط بھیجا کہ انہیں آگ میں جلا دو۔ یہی سزا حضرت

عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں پھر ہشام بن عبدالملک نے بھی اپنے دور میں ایسے مجرموں کو یہی سزا دی۔(الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیۃ ۲۲/۲۳ بحوالہ علی بن ابی طالبؓ شخصیت اور کارنامے/۴۰۹)

معاشرہ کا بگاڑ

افسوس اس بات پر ہے کہ اس بد عملی نے ہمارے معاشرہ کے اندر بھی قدم رکھنا شروع کر دیا ہے اور یہ آوازیں اُٹھنے لگی ہیں کہ اس بدعملی کو قانونی جواز دے دیا جائے، ۲۰۰۹ء میں ہائی کورٹ نے ایک فیصلہ کیا تھا جس میں ہم جنسی کے سلسلے میں کچھ گنجائش تھی لیکن کچھ باحیا غیور لوگوں نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر کے اسے چیلنج کیا جس کے نتیجے میں گیارہ دسمبر کو یہ فیصلہ آیا کہ ہم جنسی ایک جرم ہے اور جو اس جرم کے اندر ملوث ہوگا اس کو دس سال کی سزا سنائی جائے گی۔اس فیصلہ کے آنے پر افسوس کی بات یہ ہے کہ ملک کے بعض ایسے لوگ جو بڑے معزز سمجھے جاتے ہیں اور حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز ہیں، سپریم کورٹ کے اس فیصلے کو سن کر ان کی ناک بھنو چڑھ گئیں، وہ ناگواری کا اظہار کرنے لگے کہ یہ تو انسان کی آزادی پر قدغن لگایا جا رہا ہے، پوچھنا چاہیے ایسے لوگوں سے کیا آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان جانور بن جائے، جس طرح جانور اپنی خواہش پوری کرتا ہے اسی طرح انسان بھی پوری کرے، تو پھر انسان اور جانور میں کیا فرق رہ جائے گا۔حقیقت تو یہ ہے کہ آج کا انسان جانوروں سے بھی بدتر ہوتا چلا جا رہا ہے، جس عمل کو جانوروں کے معاشرے اور سماج میں جگہ نہیں ملتی آج اس عمل کو انسان اپنے معاشرے کے اندر قانونی حیثیت دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ایک مہذب سماج اور متمدن معاشرے میں اس بدعملی کی قطعاً کہیں سے کہیں تک کوئی گنجائش نہیں، یہ اللہ کی فطرت اور نظام کے خلاف کھلی بغاوت ہے، آج بہت سے ملکوں کے اندر جسم فروشی کے اڈے قائم ہیں اور ان کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہے ہندوستان جیسے ملک میں بھی اس طرح کے عمل کو قانونی درجہ دے دیا گیا ہے، باقاعدہ لائسنس ملتا ہے اس طرح کی عورتوں کو جو اپنے جسم کو، عزت وآبرو کو بیچنا چاہتی ہیں، کوئی قانون ان کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا، یہ قانون بھی انسانی معاشرے کو زیب دینے والی چیز نہیں۔

اللہ رب العزت والجلال نے ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے ایمان والا بنایا ہے، اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ کر کے حق کا شعور، سچائی کا احساس ہمیں عطا کیا ہے تو ہمیں دنیا

کے ان حالات پر اور خاص طور سے ملک کے ان تغیرات پر نگاہ رکھنی چاہیے اور اگر اس طرح کا کوئی فیصلہ ہمارے سامنے آئے جس میں فطرت سے بغاوت کا اعلان ہو تو اس کے خلاف میدان کے اندر آنا چاہیے، اور پوری قوت کے ساتھ اس کی مخالفت کرنی چاہیے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے جب اس طرح کی برائیاں دنیا میں عام ہونگی تو اللہ کا غضب اور عذاب کا مختلف انداز میں نزول ہوگا۔ طرح طرح کی بیماریاں انسانی معاشرے کو لگیں گی لوگ آفتوں کے شکار ہوجائیں گے بارشوں کے باوجود زمین سے غلہ پیدا نہیں ہوگا، مہنگائی آسمان کو چھونے لگے گی اور مال کی تجارت ہونے کے باوجود انسان کی ضروریات پوری نہ ہونگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَاظَهَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ حَتّٰى اَعْلَنُوْا بِهَاالَّابْتُلُوْا بِالطَّوَا عِيْنِ وَالْاَوْجَاعِ الَّتِىْ لَمْ تَكُنْ فِىْ اَسْلافِهِمْ الَّذِيْنَ مَضَوْامِنْ قَبْلُ. (سنن ابن ماجه ٤٠١٩)

جس معاشرے کے اندر کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب ہونے لگے تو اس معاشرے کے لوگوں کو طاعون کی بیماری میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور ایسی ایسی بیماریاں ان کو لگتی ہیں جن کا نام ان کے بڑوں نے اور بزرگوں نے سنا بھی نہ ہوگا۔

آج جب ہم انسانی معاشرے پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ایسی نئی نئی بیماریوں کے نام سننے کو ملتے ہیں جس کو پہلے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی بنیاد پر یہ بیماریاں ہمارے معاشرے کے اندر پیدا ہورہی ہیں۔ اگر ہمیں اپنے کو اور اپنے معاشرے کو اللہ کے غضب سے اور بیماریوں سے بچانا ہے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی اور ہر اس بدعملی سے اجتناب کرنا ہوگا، جو انسان کو غضب خداوندی کا مستحق بنانے والی ہے۔ اللہ رب العزت والجلال ہم سب کو شریعت پر استقامت نصیب فرمائے اور ہر طرح کی بدعملی سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

مدارس پر آرا کا تجزیہ

مولانا ڈاکٹر محمد افضال صاحب قاسمی، احمدی اِسکول اے ایم یو علی گڑھ

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر خیر وشر کے دو مادے رکھے ہیں، اچھے برے کی تمیز کے لئے عقل سلیم عطا کی ہے؛ تاکہ انسان خالق کائنات کی پسندیدہ چیزوں کو اختیار کرے اور اشیاء ناپسندیدہ سے اجتناب کر کے مالک ارض وسماء کو راضی کرے۔

نسل آدم پر اللہ تعالیٰ نے مزید احسان یہ کیا کہ انبیاء کا سلسلہ جاری کیا، ان نفوس قدسیہ نے خالق و مخلوق کے رشتہ کی مکمل وضاحت کی اور انسان کے مقصد اصلی کو علمی اور عملی طور پر ان کے سامنے واضح کر کے، صراط مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

مالک حقیقی کی طرف سے سپرد کردہ کام کو انبیاء ورسل نے پورے طریقہ سے اپنے اپنے دور میں انجام دیا، نبوت کے سلسلہ کی آخری کڑی ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ نے ۲۳؍ سالہ دور نبوت میں قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہبری و رہنمائی کے لئے قرآن وسنت کا مقدس ذخیرہ پیش کیا، اور عملی طور پر ایک جماعت کی ایسی تربیت کی کہ انھوں نے آپ کے لائے ہوئے دین کو دینا کی ہر چیز پر مقدم رکھا اور من وعن زبان قال وحال سے اس ذخیرہ کو آنے والی نسلوں کے سپرد کیا اور اس کی عظمت ومحبت کو ان کے دلوں میں پیوست کر دیا۔

اللہ تعالیٰ قرآن وسنت کی حفاظت کے لیے ہر دور میں ایسے افراد پیدا کرتا رہے گا، جو اس کو اپنی زندگی میں اتارنے کے ساتھ ہی دوسرے افراد تک اس کو پہنچاتے رہیں گے۔ ان لوگوں کا مشغلہ ہی قرآن وحدیث کو حاصل کرنا اور اس کی ترویج واشاعت ہوگا۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ. (آل عمران، جزء آیت: ۱۱۰)

حجۃ الوداع میں اللہ کے رسول نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اَلا هَلْ بَلَّغْتُ! قَالُوْا نَعَمْ! قَالَ: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ. (بخاری شریف ۲۳۴/۱)

تاریخ شاہد ہے کہ خاتم الانبیاء کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد سے آج تک مستقل دنیا میں ایک جماعت ایسی رہی ہے جس نے اس کام کو بڑی خوش اسلوبی اور جانفشانی سے پورا کیا ہے، اور کسی دور میں چراغ مصطفوی کو بجھنے نہ دیا، دنیا میں کتنے ہی اعصاب شکن دور کا وجود ہوا، شمع نبوی کے پروانے اس کی شرح وتفصیل میں لگے رہے۔ اور آگے بھی یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ چلاتا رہے گا، یہ اسلام کے پسندیدہ رب اور زندہ وجاوید ہونے کی دلیل ہے۔

برخلاف دوسرے مذاہب کے ان کے بانیان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان مذاہب میں وہ افراد پیدا نہ ہو سکے جو ان مذاہب کو اصلی حالت پر آگے بڑھاتے، اس لئے مرور زمانہ کے ساتھ وہ اپنی اصلی ہیئت برقرار نہ رکھ سکے، اور تحریف وتبدل کا شکار ہو کر اوہام وخیالات کا فلسفہ بن گئے۔

موجودہ دور میں مدارس ومساجد اسلام کی حفاظت کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں اور ان میں موجود صادقین وصالحین کی مخلصانہ محنت سے۔ اسلام آج مکمل آب وتاب کے ساتھ دنیا میں اپنی شعائیں بکھیر رہا ہے اور حقیقی روشنی سے محروم اقوام عالم کے اذہان میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ کبھی کوئی سرپھرا اِسلام کا منبع و مرکز قرآن شریف کو جلا کر اسے ختم کرنا چاہتا ہے، کچھ کورمغز اپنے اوہام کا مجموعہ اس کے مقابل پیش کرتا ہے اور کوئی عقل سے معذور مختلف آیات کو ہدف تنقید بنا کر اسلام کی جڑوں کو نیست ونابود کرنے کے درپہ ہے۔

اب غیر تو غیر اپنے بھی اسلام کے پاور ہاؤس ان مدارس پر انگشت نمائی کرنے لگے ہیں، عالم انسانیت پر بدنما داغ کی حیثیت رکھنے والوں کی طرف سے آنے والی مسموم ہواؤں نے ہمارے اپنوں کے اذہان کو پراگندہ کر دیا ہے، اور وہ محسنین کے احسان کو فراموش کر کے محافظین انسانیت پر کیچڑ اچھالنے میں غیروں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوئے ہیں۔

مدارس ومساجد کے تعلیم یافتہ افراد کو قوم کے لیے بوجھ، ناکارہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور بن مانگے مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ان مدارس کو سرکاری امداد قبول کر لینی چاہیے ،کسی کی طرف سے عصری تعلیم کی شمولیت کا مطالبہ سامنے آتا ہے کوئی نصاب کی تبدیلی کا اصرار کرتا نظر آتا ہے، کہیں سے فلسفہ ومنطق کو باہر کا راستہ دکھانے کا شور اٹھتا ہے، کسی کی تان غلام وباندی کے مسائل سے فقہ کو پاک کرنے پر آ کر ٹوٹتی ہے۔

جب کہیں زور نہیں چلتا تو طالبان علوم نبوت کو ورغلانے کے لئے رزق کے دروازے مسدود

ہونے کا خوف دلایا جاتا ہے۔اس پرفتن دور میں ان قیمتی آرا سے نوازنے والے جانے انجانے میں اسلامی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والوں میں شامل ہیں۔

خدارا آپ اپنی اپنی آراء کا تجزیہ کیجئے!

سرکاری امداد قبول کرنے کی صورت میں مدارس معیار تعلیم اور اپنے اسلامی منہج کو برقرار رکھ سکیں گے؟ کیا آپ کے سامنے سرکاری تعلیمی اداروں کی حالات زار نہیں ہے، امدادی مدارس کا بچشم کشا نظارہ کیجیے، اور سرکاری عنایت کے پیچھے چھپے منشاء کو فراست مؤمن سے پڑھئے عصری تعلیم کی شمولیت کی رائے دینے والوں! ان مدارس کے وجود میں آنے کے پس منظر اور مقاصد پر چشم بصیرت سے غور کیجئے، اور تنزلی کے اس دور میں عصری تعلیم کے ساتھ آنے والی افکار کا ایمان دارانہ تجزیہ کیجئے اور دینی تعلیم پر پڑنے والے اس کے اثرات کو محسوس کریئے، نصاب کی تبدیلی کا نعرہ لگانے والے افراد، اس نصاب سے کماحقہ مستفیض ہونے والے ماہ ومہر اور موجود افراد کی زندگی کا مطالعہ کیجئے، اور کلیہ کمی سے پاک اور موجودہ دور کی اسلامی ضروریات کی تکمیل کا ضامن نصاب پیش کیجئے۔

غلام و باندی کے مسائل کو بے سود ثابت کرنے سے پہلے جہاد کی فرضیت کا معاملہ سلجھایئے، رزق کے دروازے مسدود ہونے کا خوف دلانے سے پہلے عصری تعلیم کے محصلین کو غم روزگار سے چھٹکارا دلایئے، بقول آپ کے رزق کی ضامن تعلیم کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والے افراد کی بے روزگار بھیڑ کے وجود کے فلسفہ کی توجیہ کیجئے، فارغین مدارس کی بے روزگار فوج کو تلاش کرکے عصری تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد کے ساتھ ان کا موازنہ کریئے دونوں جماعت کی طمانیت قلب اور قناعت کی کسی آلہ سے جانچ کرایئے۔

فارغین مدارس کے رزق کی فکر میں پگھلنے سے پہلے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُهَا. (ھود: ٦)

وَمَنْ يَّتَقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. (الطلاق: ٢-٣)

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ. (الذریت: ٢٢)

مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ. اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ.

(الذاریات: ٥٧-٥٨)

حدیث شریف میں ہے:

مَنْ تَفَقَّهَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ کَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ مَا اَهَمَّ وَرَزَقَهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ. (تحفة کشمیر، ابو الحسن علی ندوی ۱۰۳)

جو شخص اللہ کے دین کی سمجھ پیدا کرلے تو اللہ اسے رنج سے نجات دیگا اور اسے ایسے ذریعہ سے رزق عطا کرے گا کہ اسے اس کا گمان بھی نہ ہوگا، ان آیات واحادیث کا مفہوم بحیثیت مسلم قلب سلیم سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

مدارس کے فارغین اور عصری تعلیم گاہوں کے پروردہ افراد کا مجرمین کی قطار میں موازنہ کرو، دونوں تعلیم گاہوں کے بے روزگاروں کا ریشو بتاؤ؟ عصری تعلیم کے محصلین کے کرپشن میں ملوث افراد کا ایماندارانہ جائزہ لو پھر مدارس سے نکلے ہوئے لوگوں کا کرپشن شمار کرو۔

ایمان داری، دیانت داری، تواضع، صبر، قناعت، مساوات اور امداد باہمی کا جذبہ، تلاش کرو، کس درسگاہ کے فارغین میں نمایاں ہے، اس کے بعد مدارس کو اپنی آراء دینے کی زحمت اٹھاؤ۔

عزت مآب سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

''شریفانہ انسانی زندگی گذارنے کا بنیادی فن، خدا ترسی، انسان دوستی، ضبط نفس کی ہمت و صلاحیت، ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کی عادت، انسانیت کا احترام، انسانی جان و مال، عزت آبرو کے تحفظ کا جذبہ، حقوق کے مطالبہ پر ادائے فرض کو ترجیح، مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت وحفاظت اور ظالموں و طاقتوروں سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ، ان انسانوں سے جو دولت و وجاہت کے سوا کوئی جوہر نہیں رکھتے عدم مرعوبیت و بے خوفی، ہر موقعہ پر اور خود اپنی قوم، اپنی جماعت کے مقابلے میں کلمہ حق کہنے کی جرئت اپنے اور پرائے کے معاملہ میں انصاف کسی دانا و بینا طاقت کی نگرانی کا یقین، اور اس کے سامنے جواب دہی اور حساب کا کھٹکا''۔

یہ اوصاف مدارس سکھاتے ہیں

جب جب ضرورت پڑی انہیں بوریہ نشینوں نے سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کہا اسلامی حکومتوں اور معاشروں کے انحراف اور تخریبی سازشوں کے مقابلے پر یہی حضرات سینہ سپر رہے۔ وقت پڑنے پر قلم چھوڑ کر جہاد وقتال، آزادی وطن کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ صف اول میں رہ کر پیش کیا، بیرونی طاقتوں

اوراسلام دشمن حکومتوں سے مقابلے کی قیادت انہیں مدارس کے فارغین نے انجام دی،اورمقابل کو پسپائی پر مجبور کیا،ظالم کا مقابلہ ہر دور میں ان فاقہ مستوں کا محبوب مشغلہ رہا،عصراول سے آج تک ہر تجدیدی و اصلاحی تحریکات کے مرکزی مقام پر علماء کا ہی نام جلی حرف میں سامنے آئیگا،تاریخ کے اوراق کو کھنگالیے پھر کوئی رائے اختیار کیجیے، جم غفیر کے بھاؤ میں بہہ کر اپنا اور اپنی نسلوں کے مستقبل کو تاریک مت کیجیے اورآنے والی نسلوں کوگمراہی سے بچایئے۔(معارف القرآن ۸/۲۱۱)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (التحریم، جزء آیت: ٦)

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا. ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ . (النجم: ۲۹-۳۰)

یعنی آپ ایسے لوگوں سے اپنا خیال ہٹا لیجیے جو ہماری یاد سے رخ پھیرلیں اور دنیوی زندگی کے سوا ان کا کوئی مقصد نہ ہو، یہی ان کا انتہائی علم و ہنر ہے۔

اس آیت کا مصداق بننے سے اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو محفوظ رکھے۔(کلیاتِ اقبال:ضرب کلیم ۶۹،''زمانہ حاضر کاانسان'')

مغرب کے مادی معاشی دور اقتدار میں انسانی زندگی کا قابل تقلید نمونہ اور مثالی تصور پست ہوگیا، صرف اچھا کھانا، اچھا پہننا، معاشرہ میں معزز وممتاز بننا اور ہم چشموں میں جاہ واعزاز حاصل کرنا آئیڈیل بن گیا ہے، جوان چیزوں سے صرف نظر کرکے سادہ زندگی گذار رہا ہے ان کو ہدف تنقید بنا رکھا ہے پیغمبروں کی سیرت نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے۔کیا یہی ہمارے نبی آخرالزماں اور صحابہ کرام کی سیرت تھی، جو آج ان کے نام لیوا اپنائے ہوئے ہیں۔

علامہ اقبال نے اس دور کے پروردہ مغرب زدہ افراد کا نقشہ اپنی غزل ''زمانہ حاضر کا انسان'' میں ان اشعار میں پیش کیا ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا ❖ اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا ❖ آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا ❖ زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

مدارس میں اللہ اوراس کے رسول کا دین سکھایا جاتا ہے۔وہاں دنوں رات قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجتی ہیں جو دنیا کو امن وآشتی کا پیغام دیتی ہیں اور دنیا وآخرت میں کامیابی کی ضمانت،ان اللہ

اللہ کرنے والوں کی وجہ سے ہی اس دنیا کا وجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالُ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ. (مشكوٰة شريف ٤٨٠)

ایک حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا، اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ اَوْ عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ. (مشكوٰة شريف ٤٤١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب ملعون ہے سوائے ذکر اللہ اور اس کے متعلقات کے یا عالم یا متعلم کے۔

ان بوریا نشیں علماء کے مقام کی تعین اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان کی:

وَاِنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِيْ جَوْفِ الْمَاءِ، وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ. (مشكوٰة شريف ٣٤)

ایک حدیث میں ہے:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ. (مشكوٰة شريف ١٨٣)

تم میں بہترین شخص قرآن کو سیکھے اور سکھانے والا ہے۔

امام محمد سے کسی نے خواب میں پوچھا کیا معاملہ رہا، تو انہوں نے کہا کہ اللہ سے جب میں معافی کا طلبگار ہوا تو اللہ نے فرمایا اگر تم کو عذاب دینا ہوتا تو ہم تم کو یہ علم نہ عطا کرتے۔ (العلم والعلماء ۴۸)

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. (بخاری شريف ١٦/١)

دنیا والوں کی مدارس پر تنقید کرنے سے اسلام کی ترقی کبھی نہیں رکے گی، کیونکہ خدا کا فرمان ہے:

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ ......الخ. (الفتح: ٢٩)

مخالفین مدارس صرف اپنا نقصان کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قلب صالح اور عقل سلیم سے نوازے۔ آمین۔

گھر کا سربراہ کون؟ مرد یا عورت

مولانا محمد قمر الزماں ندوی استاد، مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپ گڑھ

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ہر اجتماعی نظام کے لئے عقلا اور عرفا یہ ضروری ہے کہ اس کا کوئی سربراہ حاکم یا امیر ہو کہ اختلاف ونزاع اور باہمی کشمکش کے وقت اسکے فیصلے سے کام چل سکے، جس طرح ملک وسلطنت اور ریاست وحکومت سب کے نزدیک مسلم ہے، اسی طرح قبائلی نظام میں بھی اس کی ضرورت وافادیت ہمیشہ محسوس کی گئی اور کسی ایک شخص کو قبیلہ کا روح رواں اور میر کارواں (حاکم وسردار) مانا گیا ہے، اسی طرح عائلی نظام میں، جس کو عرف میں خانہ داری کہا جاتا ہے اس میں بھی ایک امیر اور سربراہ کی ضرورت ہے، عورتوں اور بچوں کے مقابلے میں اس کام کے لئے حق سبحانہ وتعالی نے مردوں کو منتخب فرمایا ہے کہ ان کی علمی اور عملی قوتیں اور صلاحیت بہ نسبت عورتوں اور بچوں کے زیادہ ہیں، اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ کوئی حقیقت پسند اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک موقع پر بطور خاص مرد اور عورت کے درجہ کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ. (النساء: ٣٤)

مرد عورت کے نگراں اور حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ تعالی نے ایک صنف (قوی) کو دوسری صنف (ضعیف) پر بڑائی دی ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں مرد کو عورت پر قوام بنایا گیا ہے۔ عربی زبان میں قوام اسے کہتے ہیں جو کسی کی حمایت، حفاظت اور کفالت کا ذمہ دار بن کر کھڑا ہو، اور جو شخص ان امور کی ذمہ داری لے گا، تسلط اور حکومت اس کے لیے ضروری اور لازم ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی لفظ ''قوام'' کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''عربی میں ''قام'' کے بعد ''علی'' آتا ہے تو اس کے اندر نگرانی، محافظت، کفالت اور تولیت کا مضمون

پیدا ہو جاتا ہے''قوامون علی النساء''میں بالاتری کا مفہوم بھی ہے اور کفالت وتولیت کا بھی اور یہ دونوں باتیں کچھ لازم وملزوم سی ہیں۔گھر کی چھوٹی سی وحدت بھی جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا،ایک چھوٹی سی ریاست ہے،جس طرح ہر ریاست اپنے قیام وبقا کے لئے ایک سربراہ کی محتاج ہوتی ہے،اسی طرح یہ ریاست بھی ایک سربراہ کی محتاج ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ریاست میں سربراہی کا مقام مرد کو حاصل ہو یا عورت کو؟

قرآن نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مقام مرد کو حاصل ہے اور اس کے حق میں دو دلیلیں دی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالی نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے،مرد کو بعض صفات میں عورت پر نمایاں تفوق حاصل ہے، جن کی بنا پر وہی سزاوار ہے کہ قوامیت کی ذمہ داری اسی پر ڈالی جائے۔مثلا محافظت و مدافعت کی جو قوت و صلاحیت یا کمانے اور ہاتھ پاؤں مارنے کی جو استعداد و ہمت اس کے اندر ہے وہ عورت کے اندر نہیں ہے، یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں زیر بحث کلی فضیلت نہیں ہے؛ بلکہ وہ فضیلت ہے جو مرد کی قوامیت کے استحقاق کو ثابت کرتی ہے۔بعض دوسرے پہلو عورت کی فضیلت کے بھی ہیں؛لیکن ان کو قوامیت سے تعلق نہیں ہے۔مثلا عورت گھر سنبھالنے اور بچوں کی پرورش ونگہداشت کی جو صلاحیت رکھتی ہے، وہ مرد نہیں رکھتا۔اِسی وجہ سے قرآن نے یہاں بات ابہام کے انداز میں فرمائی ہے جس سے مرد اور عورت دونوں کا کسی نہ کسی پہلو سے صاحب فضیلت ہونا نکلتا ہے؛لیکن قوامیت کے پہلو سے مرد ہی کی فضیلت کا پہلو راجح ہے۔دوسری یہ کہ مرد نے عورت پر اپنا مال خرچ کیا،بعض بیوی بچوں کی معاشی اور کفالتی ذمہ داری تمام اپنے سر اٹھائی ہے۔ظاہر ہے کہ ہر ذمہ داری مرد نے اتفاقیہ یا تبرعا نہیں اٹھائی ہے؛ بلکہ اس وجہ سے اٹھائی ہے کہ یہ ذمہ داری اُسی کے اٹھانے کی ہے۔وہی اس کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہی اس کے حق ادا کر سکتا ہے''۔(تدبر قرآن ۲/۲۹۱-۲۹۲امین احسن اصلاحیؒ)

مذکورہ آیت کے ضمن میں صاحب تفہیم القرآن رقم طراز ہیں:''قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت ونگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو، یہاں فضیلت بمعنی شرف اور کرامت اور عزت نہیں ہے، جیسا کہ ایک عام اردو خواں آدمی اس لفظ کا مطلب لیگا، بلکہ یہاں یہ لفظ اس معنی میں ہے کہ ان میں سے ایک صنف (یعنی مرد) کو اللہ نے طبعًا بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو دوسری صنف (یعنی عورت) کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔اس بنا پر خاندانی نظام میں مرد ہی قوام ہونے کی اہلیت رکھتا ہے اور عورت فطرۃً ایسی بنائی گئی ہیں کہ اسے خاندانی زندگی میں مرد کی حفاظت وخبر گیری کے تحت رہنا

چاہئے‘‘۔(تفہیم القرآن ۱/۳۴۹ مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ)

مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے مالہ و ما علیہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت میں: وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (۲/۲۲۸) فرما کر اور سورۂ نساء کی آیت متذکرہ میں ’’اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ‘‘ فرما کر یہ بتلادیا گیا کہ اگرچہ عورتوں کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم وواجب ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں اور دونوں کے حقوق باہم مماثل ہیں، لیکن ایک چیز میں مردوں کو امتیاز حاصل ہے کہ وہ حاکم ہیں۔اور قرآن کریم کی دوسری آیات میں یہ بھی واضح کردیا گیا کہ یہ حکومت جو مردوں کی عورتوں پر ہے محض آمریت اور استبداد کی حکومت نہیں؛ بلکہ حاکم یعنی مرد بھی قانون شرع اور مشورہ کا پابند ہے، محض اپنی طبیعت کے تقاضہ سے کوئی کام نہیں کرسکتا، اس کو حکم دیا گیا کہ: عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (۱۹/۵) یعنی عورتوں کے ساتھ معروف طریقہ پر اچھا سلوک کرو۔اسی طرح دوسری آیت میں: عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ (۲:۲۳۳) کی تعلیم ہے، جس میں اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ امور خانہ داری میں بیوی کے مشورہ سے کام کریں، اس تفصیل کے بعد مرد کی حاکمیت عورت کے لئے کسی رنج کا سبب نہیں ہوسکتی، چونکہ یہ احتمال تھا کہ مردوں کی اس فضیلت اور اپنی محکومیت سے عورتوں پر کوئی ناخوش گوار اثر ہو، اس لئے حق تعالیٰ نے اس جگہ صرف حکم بتلانے اور جاری کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا؛ بلکہ خود ہی اس کی حکمت اور وجہ بھی بتلادی، ایک وہبی جس میں کسی کے عمل کا دخل نہیں، دوسرے کسبی جو عمل کا اثر ہے۔پہلی وجہ یہ ارشاد فرمائی: ’’بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں خاص حکمت و مصلحت کے تحت ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے، کسی کو افضل کسی کو مفضول بنایا ہے، جیسے ایک خاص گھر کو اللہ تعالیٰ نے اپنا بیت اللہ اور قبلہ قرار دے دیا، بیت المقدس کو خاص فضیلت دیدی، اسی طرح مردوں کی حاکمیت بھی ایک خداداد فضیلت ہے، جس میں مردوں کی سعی و عمل یا عورتوں کی کوتاہی و بے عملی کا کوئی دخل نہیں ہے۔دوسری وجہ کسبی اور اختیاری ہے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، مہر ادا کرتے ہیں، اور ان کی تمام ضروریات کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ان دو وجہ سے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا‘‘۔(معارف القرآن ۲/۳۹۶-۳۹۷ مولانا مفتی شفیع صاحبؒ)

آگے ایک خاص نکتہ اور حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

’’پہلی وجہ کے بیان میں مختصر طریقہ یہ تھا کہ رجال اور نساء کی طرف ضمیریں عائد کرکے’’ فضلهم عليهن‘‘

فرمادیا جاتا، مگر قرآن کریم نے عنوان بدل کر "بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" کے الفاظ اختیار کئے، اس میں یہ حکمت ہے کہ عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کا بعض اور جز قرار دے کر اس طرف اشارہ کردیا کہ اگر کسی چیز میں مردوں کی فوقیت اور افضلیت ثابت بھی ہوجائے، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کا سر اس کے ہاتھ سے افضل یا انسان کا دل اس کے معدہ سے افضل ہے، تو جس طرح سر کا ہاتھ سے افضل ہونا ہاتھ کے مقام اور اہمیت کو کم نہیں کرتا، اسی طرح مرد کا حاکم ہونا عورت کے درجہ کو نہیں گھٹاتا؛ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے مثل اعضاء واجزاء کے ہیں مرد سر ہے تو عورت بدن۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس عنوان سے اس طرف بھی اشارہ کردیا گیا ہے کہ یہ افضلیت جو مردوں کو عورتوں پر حاصل ہے یہ جنس اور مجموعہ کے اعتبار سے ہے، جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی عورت کمالات علمی وعملی میں کسی مرد سے بڑھ جائے اور صفت حاکمیت میں بھی مرد سے فائق ہوجائے۔

دوسری وجہ اختیاری جو بیان کی گئی ہے کہ مرد اپنے مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، اس میں بھی چند اہم امور کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، مثلاً ایک تو اس شبہ کا ازالہ ہے جو آیات میراث میں مردوں کا حصہ دوہرا اور عوتوں کا اکہرا ہونے سے پیدا ہوگیا ہے؛ کیوں کہ اس آیت نے اس کی بھی ایک وجہ بتلادی کہ مالی ذمہ داریاں تمام تر مردوں پر ہیں، عورتوں کا حال تو یہ ہے کہ شادی سے پہلے ان کے تمام مصارف کی ذمہ داری باپ پر ہے اور شادی کے بعد شوہر پر، اس لئے اگر غور کیا جائے تو مرد کو دوہرا حصہ دینا اس کو کچھ زیادہ دینا نہیں ہے، وہ پھر لوٹ کر عورتوں ہی کو پہنچ جاتا ہے۔ دوسرا اشارہ ایک اہم اصول زندگی کے متعلق یہ بھی ہے کہ عورت اپنی خلقت اور فطرت کے اعتبار سے نہ اس کی متحمل ہے کہ اپنے مصارف خود کما کر پیدا کرے، نہ اسکے حالات اس کے لئے سازگار ہیں کہ وہ محنت، مزدوری اور دوسرے ذرائع کسب میں مردوں کی طرح دفتروں اور بازاروں میں پھرا کرے۔ اس لئے حق تعالی نے اس کی پوری ذمہ داری مردوں پر ڈال دی، شادی سے پہلے باپ اس کا متکفل ہے اور شادی کے بعد شوہر۔ اس کے بالمقابل نسل بڑھانے کا ذریعہ عورت کو بنایا گیا ہے، بچوں کی اور امور خانہ داری کی ذمہ داری بھی اسی پر ڈال دی گئی ہے، جب کہ مرد ان امور کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ عورت کو اپنے نفقات میں مرد کا محتاج کرکے اس کا رتبہ کم کردیا گیا ہے، بلکہ تقسیم کار کے اصول پر ڈیوٹیاں تقسیم کردی گئی ہیں، ہاں ڈیوٹیوں کے درمیان جو باہم تفاضل ہوا کرتا ہے وہ یہاں بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں وجہوں کے ذریعہ یہ بتلادیا گیا کہ مردوں کی حاکمیت سے نہ عورتوں کا کوئی درجہ کم ہوتا ہے اور نہ ان کی اس میں کوئی منفعت ہے، بلکہ

اس کا فائدہ بھی عورتوں ہی کی طرف عائد ہوتا ہے''۔(معارف القرآن ۲/۷-۳۹۷-۳۹۸ مولانا مفتی شفیع صاحبؒ)

حافظ ابن کثیرؒ نے اس لفظ کی تشریح فرماتے ہوئے لکھا ہے: أَيُّ هُوَ رَئِيْسُهَا وَكَبِيْرُهَا وَالِي كم عَلَيْهَا وَمُؤَدِّبُهَا إِذَا اعْوَجَتْ ۔یعنی مرد عورت کا سردار ہے، بڑا ہے، اس پر حاکم ہے اور غلط روی کی صورت میں اس کو ادب سکھانے والا ہے۔(تفسیر ابن کثیر ۱/۴۱۱ بحوالہ قاموس القرآن ۴۲۸ مولانا زین العابدین میرٹھیؒ)

الغرض شریعت اسلامی میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں یہ جو مقام ملا ہے اس کی اللہ تعالی نے دو وجہیں بیان فرمائیں ایک وہبی، خداداد اور دوسری کسبی، اختیاری، وہبی اور فطری یہ کہ ''اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر بڑائی دی'' بعض مرد کو جسمانی وعقلی قوتیں عورت سے زائد اور بہتر عطا فرمائیں جس کے نتیجہ میں مرد علمی وعملی کمالات میں عورت سے فائق ہوا۔اور ظاہر ہے کہ علمی وعملی کمالات ہی پر ترقی درجات کا انحصار ہے۔ماضی قریب کے مشہور عالم دین اور مفسر قرآن علامہ رشید رضاؒ لکھتے ہیں:

''مرد کے اعضاء عورت کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہیں مرد کے جسم کا تناسب عورت کے مقابلہ میں زیادہ حسین ہے، اور یہ بات تمام حیوانات میں پائی جاتی ہے۔مرغا مرغی سے، بھیڑ بھیڑی، اور شیر شیرنی سے زیادہ حسین ہوتا ہے، نیز مرد کا مزاج عورت کے مزاج سے زیادہ کامل ومعتدل ہے، اعضاء کی قوت اور مزاج کے اعتدال پر عقلی وفکری قوتوں کا کمال منحصر ہے۔اطباء کا مشہور قول ہے کہ صحیح جسم میں صحیح عقل ہوتی ہے، جسمانی اور عقلی قوتوں کے اس کمال کا قدرتی ثمرہ یہ ہے کہ مرد زندگی کی جدوجہد میں حصہ لینے کیلئے عورت سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے اور کسب وایجاد اور انتظام وتدبیر کے اُمور پر بہتر طور پر قادر ہے''۔(تفسیر المنار بحوالہ قاموس القرآن ۴۲۸ مولانا زین العابدین میرٹھیؒ)

کسبی واختیاری یہ کہ مرد حکم خداوندی کی تعمیل میں عورتوں کو مہر، خوراک، پوشاک وغیرہ مہیا کرتے ہیں اور انکی تمام خانگی ومعاشی ضروریات کے کفیل ہیں۔اگر مرد ایسا نہ کرتے تب بھی وہ فطرت کے تقاضوں کے مطابق عورتوں کے نگراں اور ان کے حاکم ہی رہتے۔

بہر حال ان وہبی وکسبی وجوہ فضیلت کی بنا پر، اسلام نے مردوں کو عورتوں کی ذمہ داری، نگرانی اور سرداری کے مقام پر فائز فرمایا۔

مولانا زین العابدین سجاد میرٹھیؒ مرد اور عورت کے باہم تقسیم کار کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ''گھر کے مختصر سے معاشرہ میں بھی مرد کو ریاست کا درجہ عطا فرمایا، کسب معاش کا بوجھ اسکے کاندھوں پر ڈالا اور خاندان کی صلاح وفلاح اور ان کی حفاظت وحمایت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی اور ملک وملت کی وسیع سوسائٹی میں

بھی دشمنوں سے حفاظت، تدبیر امور مملکت اور عمومی نظم ونسق کی گراں بار ذمہ داریاں مردوں کے سپرد کیں چنانچہ جس طرح امامت کبریٰ (نبوت) اور امامت صغریٰ (نماز کی امامت) مردوں سے متعلق رہی ہیں اسی طرح خلافت امارت اور قضاء کے فرائض بھی مردوں ہی کے سپرد کئے گئے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

ولهذا كانت النبوة يختصه بالرجال وكذلك الملك الأعظم بقوله صلى الله عليه وسلم من يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة. (صحيح البخاري) **وكذا منصب القضاء وغيره ذلك.** (تفسير ابن كثير)

اور اِنہی وجوہ سے نبوت مردوں کے ساتھ مخصوص رہی ہے اور اسی طرح خلافت وامارت، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائے گی، جس نے اپنے امور مملکت عورتوں کے سپرد کردیئے۔ اور اسی طرح قضاء وغیرہ کے مناصب بھی مردوں سے متعلق رہے ہیں۔

البتہ ملک وملت کے وہ مسائل جو عورتوں ہی سے متعلق ہیں، ان میں عورتوں کی مدد لی جاسکتی ہے، اور ضرورت پڑنے پر وقتی طور پر دوسری ذمہ داریاں بھی عورتوں کی صنفی خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کے سپرد کی جاسکتی ہیں۔ اس فرق مراتب اور تقسیم فرائض سے عورتوں کی عزت وحرمت میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔ (قاموس القرآن ۴۲۹ مولانا زین العابدین سجاد میرٹھیؒ)

سورہ نساء کی مذکورہ آیت سے یہ بات بالکل واضح ہوگی کہ عورت کی سربراہی ازروئے شریعت درست نہیں ہے۔ اور عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص، نص قطعی کے درجہ میں ہے، جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی، جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کردیئے''۔ (بخاری شریف/کتاب المغازی والفتن)

بعض حضرات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جنگ جمل میں شرکت اور ایک گروپ کی قیادت سے خواتین کے لئے سیاسی اور عسکری قیادت کا جواز ثابت کرتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جنگ جمل میں شرکت قائد فوج کی حیثیت سے نہیں تھی اور نہ سپاہی کی حیثیت سے وہ شریک ہوئی تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد محض قتل عثمان کے قصاص کا مطالبہ تھا، اس کے علاوہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور دوسری ازواجِ مطہرات کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس اقدام سے اتفاق نہیں تھا، اور خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنی اس

اجتہادی غلطی کا احساس ہوگیا تھا اور اس مہم میں شرکت پر آپ کو پچھتاوا تھا، اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے عورت کے لئے حکومت وسیاست کا جواز فراہم کرنا محض حقیقت کو منہ چڑھانا ہے، جب مذہب اسلام نے عائلی نظام کے لئے مرد کو سربراہ کی حیثیت سے منتخب کیا، تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ مذہب خواتین کو گھر سے بے گھر کر کے حکومت ومملکت کا بار گراں صنف نازک کے کندھے پر ڈال دے اور وضع الشی علی غیر محلّہ کا مصداق قرار پائے۔

مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ خدائے وحدہ لاشریک نے انسانوں کے درمیان صلاحیتوں کو تقسیم کر دیا ہے تاکہ دنیا کا نظام مستحکم ومنظّم انداز میں چلتا رہے اور اسی تقسیم کی طرف قرآن حکیم میں یوں اشارہ کیا گیا ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ، لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا، وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ، وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا. (النساء: ۳۲)

اور جو کچھ اللہ تعالی نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو، جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے، ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ”قرآن نے اس آیت میں یہی بتایا ہے کہ مقابلہ کا میدان پیدائشی صفات یا فطری ترجیحات کا نہیں بلکہ اکتسابی صفات کا میدان ہے، یہ میدان نیکی، تقوی، عبادت، ریاضت، توبہ اور جامع الفاظ میں ایمان عمل صالح کا میدان ہے، اس میں بڑھنے کے لئے کسی پر روک نہیں، مرد بڑھے وہ اپنی جدوجہد کا ثمرہ پائے گا، عورت بڑھے گی وہ اپنے سعی کا پھل پائے گی، آزاد، غلام، باندی، شریف، کمینہ، بینا، نابینا سب کے لئے میدان یکساں کھلا ہوا ہے، خدا نے طبعی طور پر فضیلتیں بانٹی ہیں، ان سے ہزار درجے زیادہ اس کا فضل یہاں ہے، جو فضیلت کے طالب ہیں وہ اس میدان میں اتریں اور خدا کے فضل کے طالب بنیں۔ (تدبر قرآن ۶۲/۲)

❍❖❍

اولیاتِ صحابہؓ

انصارِ مدینہ میں

سب سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی استاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر یوپی

(۲) ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ

انصار مدینہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والی دوسری شخصیت (جو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایمان لائے) حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔ (طبقات ابن سعد ۱/۱۸۵، الاستیعاب ۱/۵۸)

نام ونسب:- آپ کا نام: ذکوان، کنیت: ابوالسبع ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ بن مُخَلَّد بن عامر بن زریق الانصاری الخزرجی الزرقی۔

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں گزر چکا ہے کہ وہ اور ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہما دونوں عتبہ بن ربیعہ کے پاس مکہ مکرمہ آئے تھے، ان دونوں سے عتبہ بن ربیعہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا، یہ سن کر ذکوان نے اسعد بن زرارہ سے کہا: "دُوْنَکَ هٰذا دِیْنُکَ"، یعنی تم کو جس دین کی تلاش تھی وہ مل گیا ہے اس کو اختیار کرلو، اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ایمان کی دولتِ لازوال سے مشرف ہوگئے، پھر عتبہ کے پاس واپس نہیں گئے بلکہ مدینہ منورہ لوٹ آئے اور علامہ واقدیؒ کے قول کے مطابق یہ دونوں حضرات سب سے پہلے مدینہ منورہ میں اسلام لے کر آئے۔ (الاستیعاب ۱/۵۸-۲۷۹، تذکرہ ۷۰۸، طبقات ابن سعد ۱/۱۸۵، اسد الغابہ ۱/۴۴، ترجمہ اسعد بن زرارہؓ)

آپ رضی اللہ عنہ نے بیعت عقبۂ اولیٰ اور ثانیہ دونوں میں شرکت کی سعادت حاصل کی، مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفاً وعظمۃ) سے مکہ مکرمہ (زادہا اللہ شرفا وکرامۃ) جاکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام کرلیا تھا، پھر وہاں سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے، اسی وجہ سے آپ کو "مہاجری، انصاری" کہا جاتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے، آپ کو "ابوالحکم بن اخنس بن شریق" نے شہید کیا، اس کے بعد ابوالحکم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حملہ کرکے اس کی ایک ران کاٹ کر نیچے گرادیا، اور فوراً ہی اس کا کام تمام کردیا۔ (الاستیعاب ۱/۲۷۹، ترجمہ ۷۰۸، الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۲/۲۰۵، ترجمہ ۲۴۳۸، اسد الغابہ ۱/۳۳۹، ترجمہ ذکوان بن عبد قیسؓ)

شہادت کا واقعہ:-غزوۂ احد کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا: اس سرحد پر کون جائے گا؟ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں جاؤں گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کون ہو؟ عرض کیا: ذکوان بن عبد قیس ابوالسبع، فرمایا: بیٹھ جاؤ، تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ارشاد فرمایا، اور حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ نے تینوں مرتبہ اسی طرح جواب دیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: فلاں جگہ چلے جانا، حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ضرور، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ اَن یَنظُرَ اِلیٰ رجلٍ یَطَأُ بِقَدَمِهٖ غداً خُضرَةَ الجَنَّةِ فَلْیَنْظُرْ اِلَیْهِ.

جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جو کل اپنے پیروں سے جنت کی ہریالی کو روندے گا تو وہ اس کو دیکھ لے۔

حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر آئے، گھر والوں کو الوداع کہا، عورتیں اور بیٹیاں کہنے لگیں کہ آپ ہم کو چھوڑ کر جارہے ہو، فرمایا: قیامت کے دن ملاقات ہوگی، پھر جنگ میں تشریف لے گئے اور شہادت پائی۔ (معرفۃ الصحابہ لابی نعیم ۱۰۲۶) رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۳) رافع بن مالک زرقی رضی اللہ عنہ

انصارِ مدینہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت رافع بن مالک زرقی اور معاذ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایمان لائے، جس کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونوں حضرات عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ گئے، ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا، چناں چہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پر اسلام پیش کیا، پس دونوں بلا کسی تردّد اور چون وچرا مشرف باسلام ہوگئے۔ (طبقات ابن سعد ۱۸۶/۱)

نام ونسب:- نام رافع، کنیت ابومالک اور ابورفاعہ، قبیلہ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے: رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک غضب بن جُشَم بن الخزرج۔

حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تینوں سال عقبہ کی بیعتوں میں شریک ہوئے، اور آخری بیعت (بیعت عقبۂ ثانیہ) میں بنوزریق کے نقیب منتخب ہوئے، آپؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے، صحیح بخاری میں خود ان کا قول مذکور ہے، اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں:

مَا يَسُرُّنِيْ اَنِّيْ شَهِدْتُّ بَدْرًا بِالْعَقَبَةِ. مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میں عقبہ کے مقابلے میں بدر میں شریک ہوتا۔

(صحيح البخاري ٥٦٩/٢، رقم: ٣٩٩٣)

خدمات :- مشرف باسلام ہوکر مدینہ منورہ واپس آئے تو نہایت سرگرمی کے ساتھ اشاعتِ اسلام میں مصروف ہوگئے۔

سورۂ یوسف سب سے پہلے مدینہ منورہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ ہی لے کر آئے۔

مسجدِ بنی زریق میں مدینہ منورہ کی دیگر تمام مسجدوں سے پہلے قرآنِ کریم پڑھا گیا، اس کے پڑھنے والے آپؓ ہی تھے۔

بیعت سے واپسی کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنا قرآنِ کریم نازل ہوا تھا اس کو لکھ کر ساتھ لائے اور اپنی قوم کو جمع کر کے سنایا۔

ابن اسحاق کی روایت میں یہ بھی ہے آپؓ مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقیم ہوگئے تھے، اور جب ''سورۂ طٰہٰ'' نازل ہوئی تو اس کو مدینۂ منورہ لے کر آئے اور اپنی قوم کو سنائی۔ (معرفۃ الصحابہ ۱۰۴۱، الاستیعاب ۲۹۰/۱، الاصابہ ۴۴۲/۲، ترجمہ ۲۵۴۶، اسد الغابہ ۳۵۳/۱، ترجمہ رافع بن مالکؓ)

وفات:- آپؓ نے شوال ۳ھ غزوۂ احد میں شہادت پائی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

(۴) معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ

ایک قول کے مطابق انصار مدینہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والی دوسری شخصیت (جو حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایمان لائے) حضرت معاذ بن عفراءؓ ہیں، جن کے ایمان لانے کا واقعہ حضرت رافع بن مالکؓ کے حالات میں گزر چکا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۱۸۶/۱، الاستیعاب ۲۳۸/۲)

نام ونسب :- آپ کا نام معاذ، والد کا نام حارث، عفراء والدہ کا نام ہے۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: معاذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج۔ ماں کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: عفراء بنت عبید بن ثعلبہ بن سواد بن غنم بن مالک بن النجار۔ (الاصابہ ۱۴۰/۶، ذکر من اسمہ معاذ، ترجمہ ۸۰۴۵، ۲۶/۸، ترجمہ عفراء، ۱۱۴۸۱)

بعض دیگر حالات :- حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، اور ابوجہل کو قتل کیا، جس کا مشہور واقعہ یہ ہے: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن

صف میں کھڑا تھا، اچانک دیکھا کہ میرے دائیں بائیں انصار کے دونو جوان ہیں، مجھ کو اندیشہ ہوا (کہ کہیں کفار مجھ کو دولڑکوں کے درمیان دیکھ کر گھیر نہ لیں) اتنے میں ایک نے اپنے ساتھی سے چھپا کر کہا چچا جان! مجھ کو ابوجہل کو دکھا دیجئے، میں نے کہا: بھتیجے! تم اس کا کیا کروگے؟ اس نے کہا کہ سنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے اُسے دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے الگ نہ ہوگا یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے لکھی ہے وہ مرجائے، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس پر تعجب ہوا، اتنے میں دوسرے نے بھی مجھے متوجہ کرکے یہی بات کہی، فرماتے ہیں کہ میں نے چند لمحوں میں ابوجہل کو دیکھا کہ وہ لوگوں کے درمیان چکر لگا رہا ہے، میں نے ان نوجوانوں سے ابوجہل کے بارے میں بتایا، سنتے ہی ان دونوں نے شکرے اور باز کی طرح اس پر حملہ کرکے اس کا کام تمام کیا۔ (بخاری شریف ۱/۴۴۴، باب من لم یُخمّس الاسلاب الخ ۲/۵۶۸، حدیث: ۳۹۸۸)

فائدہ (۱):- صحیح بخاری کی روایت جو کتاب المغازی غزوۂ بدر کے بیان میں ۲/۵۶۵ و ۵۶۸ پر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل کے قاتل حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے دو بیٹے معاذ اور مُعَوّذ رضی اللہ عنہما تھے، جب کہ کتاب الجہاد باب من لم یخمّس الاسلاب الخ ۱/۴۴۴ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ ابن عفراء اور معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہما تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹوں کے ساتھ حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی ابوجہل کے قتل میں نہ صرف شریک تھے بلکہ انہوں نے ہی قتل میں زیادہ حصہ لیا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا سَلَب معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کو دیا۔ (فتح الباری ۶/۳۱۲، ۷/۳۵۹، ۳۶۰)

فائدہ (۲):- حضرت معاذ ابن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو حقیقی بھائی ہیں، عوف اور مُعَوّذ رضی اللہ عنہما، جن کے والد حارث ہیں، اور چار اخیافی بھائی ہیں، ایاس، عاقل، خالد اور عامر رضی اللہ عنہم، جن کے والد بُکیر بن یالیل ہیں، اور یہ ساتوں بھائی غزوۂ بدر میں شریک رہے، گویا ایسی صحابیہ جن کے ساتوں لڑکے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہوں، صرف حضرت عفراء رضی اللہ عنہا ہیں۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۸/۲۶، ترجمہ عفراءؓ)

وفات:- حضرت معاذ ابن عفراء رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں انتقال کیا۔ (الاستیعاب ۲/۲۳۹) رضی اللہ عنہ وارضاہ

❍❖❍

ذکرِ رفتگاں: آخری قسط

ایک سچا مؤمن اور اچھا انسان یعنی

حاجی عبدالرزاق نصیر آبادی رائے بریلویؒ

خادمِ خاص حضرت مولانا علی میاں ندویؒ

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء - ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل اَمینی صاحب چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی واستاذ ادبِ عربی دارالعلوم دیوبند

مغرب کی نماز کے بعد بالعموم حضرت مولاناؒ مہمان خانے کے ہال کمرے میں جو بیچ میں واقع تھا جانبِ غرب وجنوب میں تشریف فرما ہوتے اور عموماً اُس وقت مولانا نثار احمد سیوانیؒ عربی یا اردو کی کوئی ایسی کتاب پڑھتے جس کا حضرت مولاناؒ اُنھیں پڑھنے کا اِس لیے حکم فرماتے تھے کہ زیرِ تحریر کتاب یا مقالے میں اُس کے مواد و مشمولات کی اُنھیں ضرورت ہوتی تھی یا حضرتؒ کو اندازہ ہوتا تھا کہ اُس میں مطلوبہ معلومات مل جائیں گی۔ واضح ہو کہ نظر کی شدید کمزوری کی وجہ سے حضرت مولاناؒ سال ہا سال سے کتابوں کے بہ راہ راست مطالعے سے اور از خود لکھنے سے بھی قاصر تھے؛ اِس لیے وہ مطالعہ بھی اِسی طرح کرتے تھے کہ مطلوبہ کتاب کوئی پڑھتا اور وہ سنتے اور ضروری جگہوں کو نشان زد کرواتے اور کتاب یا مقالہ یا خطوط بھی وہ کسی کو بول کر اِملا کراتے تھے۔ اُن کے خاص کاتب مولانا نثار احمد سیوانی ندویؒ تھے۔ اُس زمانے میں اِس راقم کو بھی عربی زبان کی متعدد کتابیں حضرت مولاناؒ نے اِملا کرائیں۔ سیرۃ النبی بڑی اور چھوٹی دونوں راقم نے مُسَوَّدہ اور مُبَیَّضہ دونوں شکلوں میں لکھیں اور حضرت مولانا کی دلی دعاؤں کا مستحق بنا۔

مغرب بعد بھائی عبدالرزاقؒ کا یہ مشغلہ ہوتا کہ وہ لالٹین میں مٹی کا تیل ڈالتے اور اس کو روشن کرتے بڑی والی لالٹین جو گیس کہلاتی تھی ہال کمرے میں رکھتے اور نسبتاً چھوٹی چھوٹی لالٹینیں مہمان خانے کے مختلف حصوں میں ڈال دیتے یا مناسب جگہوں پر لٹکا دیتے۔

اس کے علاوہ دیگر کاموں میں لگے رہتے اگر کوئی کام نہ ہوتا تو کتاب خواندگی کی مجلس میں کسی گوشے میں بیٹھ جاتے کہ حضرت مولاناؒ اگر کوئی ہدایت دیں تو اسے فوراً روبہ عمل لا سکیں۔ اگر کوئی دوا حضرتؒ کے لیے اُس وقت کی ہوتی تو اسے پیش کرتے۔

عشا کی نماز کے بعد حسبِ معمول کھانے کا دسترخوان بچھاتے اور حسبِ معمول سارے مہمانوں کے ساتھ حضرت مولاناؒ رات کا کھانا تناول فرماتے۔ اگر مہمانوں کی تعداد قدرے کم ہوتی تو بھائی عبدالرزاق مہمانوں کے ساتھ ہی کھانے سے فارغ ہوجاتے؛ ورنہ حسبِ معمول بعد میں کھانا لیتے اور ساری پلیٹوں، ڈونگوں اور دسترخوان کے لوازمات کو مرتب کرکے حضرت مولاناؒ کے مکان کے دروازے کے کواڑ کے پرے ڈال دیتے۔ رات کے کھانے کے بعد حضرت مولاناؒ بالعموم کچھ دیر مہمانوں اور حاضرین کے ساتھ بیٹھتے۔ اس مجلس میں اکثر ملک وملت کی باتیں ہوتیں اور مسلمانوں کے مسائل کا تذکرہ ہوتا۔

پھر حضرت مولاناؒ گھر تشریف لے جاتے اور تہجد کے اولین وقت تک آرام فرماتے۔ اِدھر بھائی عبدالرزاق تمام مہمانوں کی ضروریات کا جائزہ لیتے، ہر ایک کے مقام ومرتبے کے مطابق اُس کے سونے کا انتظام کرتے۔ جب سارے مہمانوں کے انتظامات سے فارغ ہوجاتے، تب بہ قدرِ ضرورت آرام کرتے اور پھر حسبِ معمول حضرت مولاناؒ کی بہ وقت تہجد آواز پر مکان کے دروازے کی طرف لپکتے اور تہجد کی نماز کے لیے اُن کی ہمہ گیر مدد کرتے۔

رمضان المبارک کے لیے شعبان کے مہینے سے ہی ہر طرح کی تیاری کرتے؛ کیوں کہ بڑی تعداد خدا کے بندوں کی حضرت مولاناؒ کے ساتھ اعتکاف کرتی یا رمضان کا مہینہ گزارتی تھی۔ ایک سال رمضان سے قبل ''سئی'' ندی کی وجہ سے زبردست سیلاب آگیا'' تکیہ کلاں'' اور آس پاس کے گاؤں پانی میں تیرنے لگے۔ بھائی عبدالرزاق نے اپنی ہنرمندی اور کاری گری سے مہمان خانہ (جس کی کرسی زمین سے دوتین فٹ اونچی تھی) اور مہمانوں کے کھانا تناول کرنے کی جگہ کے درمیان بانس کا بہت مضبوط پل بنایا۔ کھانے کی یہ جگہ حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ ÷ – ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ ÷) کے مکان کے ملبے پر بنائی گئی تھی۔ نیز اس جگہ سے مسجد کے درمیان جو یہاں سے جانب غرب میں خاصی قریب تھی، بھی ایک پل تیار کیا؛ کیوں کہ یہ جگہ بھی خاصی اونچی تھی اور مسجد کی کرسی بھی کم از کم دو فٹ اونچی تھی اِس لیے اُس پر پانی نہیں چڑھا تھا۔ بھائی عبدالرزاق کے اس ہنرمندانہ تدبر کی وجہ سے مہمانوں کو اِس ہمہ گیر سیلاب میں بڑی راحت ملی اور اُنھوں نے اُنھیں بہت دعائیں دیں؛ کیوں کہ اِسی کی وجہ سے اُن کے لیے حضرت مولاناؒ کے ساتھ رمضان گزارنا ممکن ہوسکا۔

بھائی عبدالرزاق کے کسی رویّے سے کبھی کسی کو کسی طرح یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ حضرت مولاناؒ، اُن کے مہمانوں، واردین وصادرین اوراہلِ خاندان کی خدمت روٹینی یارسمی طور پر کرتے ہیں کہ جب وہ اِسی کے لیے مامور ہیں تو گویا اس سے اُنھیں چارۂ کار نہیں؛ بل کہ اُن کے ہر رویّے سے ہمیشہ ہر کسی کو یہ یقینِ کامل ہوا کہ وہ احتساباً خدمت کرتے ہیں اِسی لیے وہ اِس طرح ہمہ تن وہمہ وقت مصروفِ عمل رہتے تھے، جیسے کسی بہت نیک اور عظیم آدمی کا بہت نیک بیٹا، اپنے باپ کی عظمتِ دینی وتعلق مع اللہ کے مکمل اِدراک کے ساتھ، ہمہ وقت مصروفِ خدمت رہ کر دین ودنیا کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز ہوتا اور خدا اور خلقِ خدا کی نگاہ میں مقبول وممدوح ہوتا ہے۔

اُنھوں نے کم وبیش چالیس سال حضرت مولاناؒ کی خدمت میں اور کم وبیش پندرہ سال اُن کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع مدظلہ کی خدمت میں گزارے۔ اُنھوں نے حضرت مولاناؒ سے صحیح معنی میں نیکی اور تقوی کو، حسبِ استطاعت جذب کیا اور اُن کی صحبت میں واقعی ایسے انسان بنے جس سے خدا اور خلقِ خدا نے محبت کی۔ اِس راقم نے اُن کے ساتھ طویل معاشرت کے دوران کسی کو نہیں پایا جس نے اُن سے ذرّہ برابر بھی کدورت محسوس کی ہو۔ یہ بہت بڑی بات ہے؛ کیوں کہ جہاں ہمہ وقت ہر طرح کے لوگوں کی آمد ورفت رہتی ہے، ضرور اُن میں کوئی ایسا نکل آتا ہے، جس کو بعض دفعہ اچھی بات بھی بری لگتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جس کو اچھے سے اچھے انسان بھی کسی نہ کسی زاویے سے بُرے لگتے ہیں۔

حضرت مولاناؒ کے اہلِ خاندان تو بھائی عبدالرزاق کو بجا طور پر فردِ خاندان ہی باور کرتے تھے اور ہر طرح کے مسائل میں اُن سے مشورہ کرتے اور مدد لیتے تھے، جیسے افرادِ خاندان اپنے ہونہار، تجربہ کار اور صائب رائے فرد سے لیا کرتے ہیں۔

بھائی عبدالرزاق کوئی لکھے پڑھے آدمی نہ تھے۔ وہ صرف قرآنِ پاک ناظرہ اور اردو زبان جانتے تھے، جس سے قرآن پاک کی تلاوت اور دینی کتابوں کی خواندگی میں اُنھیں سہولت ہوتی تھی؛ لیکن وہ ایک ''بڑے انسان'' یا کم از کم ''اچھے انسان'' ضرور تھے بالخصوص اپنے اخلاق وکردار کے حوالے سے۔ کسی کثیر الاختلاط آدمی نے بھی اُن کے سلسلے میں یہ بات نوٹ نہیں کی کہ اُنھوں نے کسی کی غیبت کی ہو، یا اُس کی حضرت مولاناؒ سے کسی مسئلے میں شکایت کی ہو، یا اُس کی کسی نعمت پر اُس سے حسد کیا ہو، یا کسی کے سامنے

اُس کا مذاق اڑایا ہو، یا اُس کی ہوا خیزی کی ہو، یا کسی ناگزیر مدد کے وقت اُس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو، یا حضرت مولاناؒ کے سامنے اپنی کسی ضرورت کے پیش کرنے میں اُس کے لیے مانع بنے ہوں، یا اپنی کسی ادنیٰ تدبیر کے ذریعے حضرت مولاناؒ سے تقرب حاصل کرنے میں اُس کے آڑے آئے ہوں، یا حضرت مولاناؒ سے وہ خلوت میں ملنا چاہتا ہو اور اس نے اُن سے اپنے لیے وقت لینے کی فرمایش کی ہو اور اُنھوں نے منع کر دیا ہو؛ بل کہ اُنھوں نے ہر ایک کی ہر طرح کی ممکن ضرورت پوری کرنے کے لیے، اپنے آپ کو ہمہ وقت تیار رکھا اور خندہ پیشانی اور ایسے رویّے سے اُس کے ساتھ پیش آئے کہ اُسے یقین ہو گیا کہ اُس کا مطلوبہ کام ضرور پورا ہو جائے گا۔

نیز کبھی کسی نے اُن کو نہیں پایا کہ وہ کسی سے تلخ کلامی سے پیش آئے ہوں چہ جائے کہ وہ کسی سے لڑے جھگڑے ہوں اور اُن کے کسی سلوک سے اُس کو دلی تکلیف پہنچی ہو۔

حضرت مولاناؒ کے پاس آنے والے مہمانوں میں اُسی طرح کا تنوُّع ہوتا تھا جیسا کہ انسانی معاشرے کے افراد میں ہوا کرتا ہے۔ اُن کی ہمہ گیر؛ بل کہ عالم گیر شہرت کی وجہ سے معاشرے کے ہر زمرے کے انسان اُن سے ملنے اور دینی یا دنیوی فائدہ اٹھانے کے لیے آیا کرتے تھے؛ لیکن اُن میں سے کسی نے کبھی بھی حضرت مولاناؒ یا اُن کے نزدیک کسی قابل اعتماد قریب وعزیز سے یہ شکایت نہیں کی کہ عبدالرزاق صاحب نے اُن کے مقام ومرتبہ کا خیال نہیں رکھا یا اُن کی کسی بات سے اُس کی معاشرتی یا انسانی حیثیت مجروح ہوئی۔

بعض مرتبہ دینی وعلمی عظمت کے لوگوں کی خدمت پر مامور افراد بڑے مکّار اور چالاک بن جاتے ہیں، یا کم از کم احساسِ برتری کا شکار، یا مال ودولت کے لالچ میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور عظیم مخدوموں کو اپنے مادی اغراض کے لیے ہنرمندی سے خوب استعمال کرتے ہیں؛ لیکن مرحوم الحاج بھائی عبدالرزاق واقعی زاہد فی الدنیا تھے، اُنھوں نے حضرت مولاناؒ کو کبھی بھی مال ودولت کی پیاس بجھانے کے لیے استعمال نہیں کیا، حال آں کہ حضرت مولاناؒ کا ایک ادنیٰ اشارہ بھی اِس کے لیے کافی تھا کہ کارِ خیر میں حصہ لینے والے لوگ اُن کی دنیا کو مالا مال کر دیتے اور اُن کے تصور سے زیادہ مال ودولت کی اُن کے پاس بہتات ہو جاتی۔ بہت سے لوگوں نے حضرت مولاناؒ کا اُن کی حیات میں اور اُن کی وفات کے بعد نام استعمال

کر کے مال و دولت کی اتنی بڑی مقدار اکٹھا کر لی جو اُن کی کئی نسلوں کے لیے کافی ہوگی۔ سچی بات یہ ہے کہ بھائی عبدالرزاق حضرت مولاناؒ کے غیر معمولی اِخلاص کا پرتو تھے اور اِس بات کی دلیل تھے کہ اللہ کے واقعی مخلص بندوں کو خدام بھی مخلص اور باوفا اور دنیا سے بے رغبت ملتے ہیں اور خدائے کریم اُن کا غیر مخلص اور دنیا کے غلام خدام کے ذریعے امتحان نہیں لیتا۔ اس طرح کے خدام نہ صرف اپنا بگاڑتے ہیں؛ بل کہ اپنے مخدوم پر بھی انگشت نمائی کا ذریعہ بن کر دوہرے گناہ کا مستحق ہوتے ہیں۔

بھائی عبدالرزاق کا ''انسانی پہلو'' اُن کی دینی صفات میں سب سے بڑے موتی کی حیثیت رکھتا تھا، جسے حضرت مولاناؒ کی صحبت نے اِس طرح صیقل کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کی مخلوق کی محبت سے کما حقہ سرفراز ہوے؛ کیوں کہ اللہ جب کسی کو پسند کرتا ہے تو وہ فرشتوں کو اس سے محبت کرنے کا حکم دیتا ہے اور پھر وہ زمین میں اس کے لیے محبوبیت کو عام کر دیتا ہے۔

بھائی عبدالرزاق کو حضرت مولاناؒ کی طویل خدمت وصحبت کے طفیل وقت کے بڑے بڑے علما وصلحا وداعیانِ دین کی زیارت اور اُن سے استفادے کا موقع ملا، جن میں مندرجۂ ذیل بزرگانِ دین سرفہرست ہیں:

حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ (۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳÷-۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲÷) جو حضرت مولاناؒ کے شیخ ومربی تھے؛ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷÷-۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲÷) امیر تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد یوسف بن الیاس کاندھلویؒ مؤلف کتاب ''حیاۃ صحابہ'' (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷÷-۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵÷) اُن کے جانشیں امیر تبلیغی جماعت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ (۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸÷-۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵÷) مربی کبیر حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڈھیؒ (۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹÷-۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱÷) داعیِ اسلام ومشہور اسلامی اہلِ قلم حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵÷-۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷÷) حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳÷-۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷÷) حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰÷-۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵÷) وغیرہم۔

حضرت مولاناؒ ہی کے طفیل بھائی عبدالرزاق نے ہندوستان کے اطراف واکناف اور متعدد ملکوں کو دیکھا، جن میں سرفہرست بلاد حرمین شریفین ہیں۔ حضرت مولاناؒ ہی کی صحبت میں اُنھوں نے ۱۹۹۸÷

میں خانۂ کعبہ کے اندر نماز و دعا کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی جب حضرت مولاناؒ کو کلید بردار کعبہ ہونے کا اعزازِ عظیم حاصل ہوا۔ حضرت مولانا کی وفات کے بعد اُن کے بھانجے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی کی معیت میں بھی اُنھیں خانۂ کعبہ کے اندر جانے اور نماز و دعا کی سرفرازی حاصل ہوئی اس وقت حسنِ اتفاق کہ اِصلاح ومرمت کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا فرش کھلا ہوا تھا۔ بھائی عبدالرزاق ایک سے زائد مرتبہ حج وزیارت حرمین کی سعادت سے بھی بہرہ یاب ہوے۔

بھائی عبدالرزاق نے اپنے علاقے میں تعلیم وتربیت بالخصوص تعلیم نسواں سے خصوصی دلچسپی لی اور اپنے گاؤں ’’خوش حال پور‘‘ نصیر آباد میں مدرسہ تعلیم البنات قائم کیا نیز گاؤں کی خستہ حال مسجد کی تعمیر نو بھی کرائی۔ وہ وقتاً فوقتاً حضرت مولاناؒ اور اُن کے نامور اہل خاندان کو بھی اپنے گھر لے جاتے اور اُن کی خاطر مدارات کر کے دنیا وعقبیٰ کی سعادت حاصل کرتے رہے۔

مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ تین لڑکیاں اور چار لڑکے ہیں، سبھی متأہّل ہیں اور تعلیم یافتہ۔ بڑے لڑکے مولانا شبیر احمد ندوی راقم سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تدریسی زندگی میں استفادہ کر چکے ہیں اُنھیں راقم سے خاص تعلق رہا اور وہ اپنے والد کا عکس محسوس ہوے۔ دوسرے لڑکے حافظ محمد عمر، تیسرے مولانا عمار ندوی اور چوتھے مولانا سعد ندوی ہیں۔

اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور سارے پس ماندگان واہلِ تعلق کو صبر جمیل واجرِ جزیل سے نوازے بالخصوص اُن کے بڑے بھائی ماسٹر رسول احمد کو جو حیات ہیں، اُن کے ساتھ شفقت کے خصوصی تعلق کا خاص بدلہ دے۔

❍❖❍

ندائے شاہی مرادآباد
ایک عظیم اصلاحی تحریک کا نام ہے
صرف ایک ممبر بنا کر آپ بھی اس تحریک میں شامل ہوجائیے۔

ذکرِ رفتگاں:

کارواں باقی ہے اور میرِ کارواں جاتا رہا

مولانا محمد عرفان قاسمی امام وخطیب مسجد اسماعیل چال ممبئی ۵۹

مولانا کا نام محمد فاروق اور تخلص ''مجاہدالقاسمی'' تھا، ریاست اترپردیش کے گاؤں جوگاپور ضلع بستی میں ۱۹۵۲ء میں اُن کی ولادت ہوئی، مرحوم مولانا مجاہدالقاسمی نے ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالرشاد بارہ بنکی میں اپنے چچا مولانا سعید احمد صاحب بستوی نائب مہتمم مدرسہ دارالرشاد بنکی بارہ بنکی کی نگرانی میں حاصل کی، مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ نے بڑی ذہانت عطا فرمائی تھی، ابتداء ہی سے مولانا ہر کلاس میں اول پوزیشن حاصل کرتے رہے۔

اس کے بعد مولانا نے اعلیٰ تعلیم مشہور دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ سے حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے زیر تربیت رہ کر حاصل کی، اور فضیلت کی سند آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۹ء میں حاصل کی، فراغت کے بعد مولانا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اترپردیش کے شہر ہردوئی کے قریب موضع سہنوہ سے کیا، اور ایک عرصہ تک وہاں کے اطراف وجوانب ضلع ہردوئی اور سیتاپور کے ایک ایک گاؤں دیہات میں اپنی تقریر وبیان سے امت مسلمہ کی صلاح وفلاح کا کام انجام دیتے رہے، ان علاقوں میں آج بھی آپ کی نعتیں اور حمد ومناجات پر مشتمل منظوم کلام چھوٹوں اور بڑوں کی زبانوں پر ہیں، اور جنہوں نے آپ کے بیانات سن رکھے ہیں، آج بھی یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد ہنگولی مہاراشٹر میں چند سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر ۱۹۸۵ء میں شہر شولاپور آئے اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں مولانا نے اپنی خداداد صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تفسیر قرآنِ کریم کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ پورا شہر آپ کی علمی عظمت کا قائل ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو گفتگو کرنے کا نرالا انداز عطا فرمایا تھا، گھنٹوں تقریر کرتے اور سننے والے مولانا کی تقریر سے مستفید ہوتے، اور ذرہ برابر بھی اُکتاہٹ کا اظہار نہ کرتے۔ مولانا کی دیگر خوبیوں میں یہ وصف (تفسیر قرآن) سب سے نمایاں تھا۔ مولانا کی دوسری خوبی مطالعہ کا شوق اور اُس سے نتائج اخذ کرنا تھا، مولانا اپنی تقریر کے دوران ایسے نقطے بیان کرتے کہ سامعین عش عش کر اُٹھتے۔

شہر شولاپور میں مولانا مجاہدالقاسمی نے اپنی تدریسی خدمت کا آغاز مدرسہ مظہرالعلوم نزد مکہ مسجد شولاپور سے کیا، اور سیکڑوں بچوں اور بچیوں کو قرآنِ پاک اور دینی تعلیم سے آراستہ کیا، بلاشبہ مولانا کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اہلِ شولاپور مولانا کی اِن خدمات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

۱۹۸۶ء میں مسلم پرسنل لاء کے خلاف ایک تحریک اُٹھی، تو مولانا نے اس تحریک کے خلاف اپنی تقریر

وبیان کے ذریعہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا،شولا پور کا شاید ہی کوئی محلّہ اور محلّہ کی کوئی مسجد ایسی ہو، جہاں مولانا کا بیان نہ ہوا ہو۔مولانا کی کوششوں کے نتیجہ میں شولا پور میں مسلم پرسنل لاء کے عنوان پر ایسی بیداری آئی کہ اخبارات نے خود اس کا اعتراف کیا کہ کلکتہ کے بعد شولا پور ہی وہ شہر ہے،جس کے جلسے میں سامعین کی سب سے بڑی تعداد تھی۔

مولانا نے شولا پور کی ۳۱ رسالہ زندگی میں شہر کی مختلف مساجد میں درسِ قرآن دیا، چند قابل ذکر مساجد یہ ہیں: مکہ مسجد،قادریہ مسجد،محمود بیڑی ہال،محمدیہ مسجد، بیریاں مسجد، پانگل اسکول،چاندتارہ مسجد، بخاری مسجد۔

مولانا کو تفسیر قرآنِ کریم سے ایسا عشق تھا کہ انتقال سے چندروز پہلے ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود تفسیر کے لئے کمٹہ ناکہ مسجد پہنچے،فرماتے تھے کہ:''قرآن کا پیغام ہی میرا مشن ہے،اور میری تمنا ہے کہ میری موت بھی یہ فریضہ انجام دیتے ہوئے آئے''۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر ❖ عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

مولانا کا ہمیشہ معمول رہا کہ اہل شولا پور کے اصرار پر ربیع الاول کے مہینے میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر ۱۰ ؍روزہ پروگرام میں شرکت کرتے اور تاریخ اسلام،خلفائے راشدین کی سیرت اور اُن کے کارنامے مدلّل انداز میں بیان فرماتے، اسی طرح محرم الحرام کے دس روزہ پروگرام میں اسلامی تاریخ، واقعاتِ کربلا، خلفاء بنوامیہ اور خلفاء بنوعباس کی تاریخ سے امت کو روشناس کراتے، یہ دونوں پروگرام شہر میں اس قدر مقبول تھے کہ لوگوں کو سال بھر اِن پروگراموں کا انتظار رہتا۔

خطابت کا ملکہ،تقریر کی صلاحیت، بات پیش کرنے کا انداز، سمجھانے کا طریقہ مولانا کو اللہ نے ایسا عطا فرمایا تھا کہ اُن کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا،مولانا کا لب ولہجہ سامعین کے کانوں میں رس گھولتا تھا،تقریر کے ختم ہونے پر لوگ کہتے تھے کہ ابھی تشنگی باقی ہے،مولانا کی تقریر روح کو غذا فراہم کرتی تھی، اللہ کے ہزاروں بندے مولانا کی تقریر سن کر تائب ہوئے، ہزاروں انسانوں نے گناہوں سے توبہ کی اور راہِ راست پر آ گئے۔ بالخصوص مولانا نے نوجوانوں اور عصری علوم حاصل کرنے والے نوجوانوں پر ایسی محنت کی کہ ہر فرد کو داعی اور مبلغ بنا دیا۔اور اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔مولانا کو علم طب میں بھی اچھی دسترس تھی،مولانا اس فن میں اتنے ماہر تھے کہ سیکڑوں لاعلاج بیماریوں کا آپ نے کامیاب علاج کیا،مولانا چوں کہ عالم باعمل تھے؛ لہٰذا مریضوں کو دوا کے ساتھ ساتھ کچھ قرآنی دعائیں بھی بتادیا کرتے تھے،اور مولانا خدمت خلق کا یہ فریضہ فی سبیل اللہ انجام دیتے تھے۔

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر پر بھی عبور حاصل ہو،مولانا کی شخصیت اس معاملہ میں بھی منفرد تھی کہ آپ ایک صاحب طرز ادیب تھے،اِسی کا نتیجہ تھا کہ مولانا نے مختلف تاریخی، دینی، ادبی موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کیں،مولانا کی مشہور تصانیف یہ ہیں، تاریخ ایودھیا، تاریخ حرمین شریفین، فضائل

رمضان جوہرِعبادت، تاریخ شولاپور دو جلدیں توحید وشرک، دعوتِ تامہ، اسلامیات اور حقیقی اصلاح، اس کے علاوہ ہندو بیرونِ ہند کے درجنوں رسائل میں مولانا کے مختلف موضوعات پر متعدد مضامین شائع ہوئے، اور علمی حلقوں میں مولانا کی شخصیت کا تعارف ہوا، مولانا کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ عام روش سے ہٹ کر ہمیشہ تحقیقی اور اصلاحی عنوان پر ہی لکھتے تھے، سچ تو یہ ہے کہ مولانا نے جس موضوع پر بھی قلم اُٹھایا، موضوع کا حق ادا کردیا۔

آپ ایک باکمال اور قادرالکلام شاعر بھی تھے، مولانا کی شعری صلاحیت کا اندازہ لگانے کے لئے نعت کے یہ اشعار کافی ہیں:

زبان ودل محمدؐ کے ہیں، جان وتن محمدؐ کا ❖ قلم، قرطاس، لفظ وحرف فکر وفن محمدؐ کا
جنیدؒ وبوحنیفہؒ، رومیؒ وہارونؒ وایوبیؒ ❖ ہمہ اقسام کے گل ہیں، یہ ہے گلشن محمدؐ کا
خدیجہؓ کی وفائیں عائشہؓ کا پیار ہے جس میں ❖ وہ فخر فرش، رشک عرش ہے آنگن محمدؐ کا
زمیں انسانیت کی زندہ ہوکر لہلہا اٹھی ❖ کچھ ایسی طرح برسا ٹوٹ کے ساون محمدؐ کا
غموں کی آزمائش ہو خوشی کی شادمانی ہو ❖ نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا کبھی دامن محمدؐ کا

مجاہدؔ بس خدا کا ہے وہی جو ہے محمدؐ کا
خدا کا بندہ بننا ہے تو پہلے بن محمدؐ کا

مولانا کو اللہ نے انتظامی صلاحیت کا بھی ملکہ عطا فرمایا تھا، چناں چہ ہندوستان کے بہت سے مدارس ومکاتب، تنظیمیں اور انجمنیں مولانا کی سرپرستی میں بڑی کامیابی کے ساتھ دینی ورفاہی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

مولانا مدرسہ دارالرشاد بنکی کے رکن شوریٰ، دارالقرآن انڈی بیجاپور کے رکن، چاند تارہ، مسجد یتیم خانہ کے بانی، صفہ یتیم خانہ (برائے طالبات) کے بانی، جمعیۃ علماء ضلع شولاپور کے صدر اور مہاراشٹر حج کمیٹی کے رکن بھی رہے، ان کے علاوہ درجنوں ادارے اور اِداروں کے ذمہ داران مولانا سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیتے رہتے، اور مولانا ان کی بھرپور رہنمائی فرماتے تھے۔

مولانا نے اگرچہ عملی سیاست میں کبھی حصہ نہیں لیا؛ لیکن اہل سیاست ہمیشہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مولانا بڑی بے باکی کے ساتھ ملت کے مسائل ان کے سامنے پیش کرتے، اور اس کے حل کی تدبیر بھی بتلاتے۔

مولانا گوناگوں صفات کے حامل تھے، اس لئے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں سے مولانا کا تعلق تھا، اس میں شہر کے علماء بھی تھے، سماجی خدمت گار بھی تھے، اہل سیاست بھی۔ اور انتظامیہ کے اعلیٰ عہدے دار بھی تھے، مولانا کے ان سب کے ساتھ بڑے خوش گوار تعلقات تھے، اور یہ حضرات مولانا کی خوبیوں کے دل سے قدر دان تھے، چناں چہ بارہا دیکھا گیا کہ قدآور لیڈر، بلند پایہ عالم، مشہور سماجی

خدمت گار اہم اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مولانا اپنی خداداد صلاحیت اور ایمانی بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے ان کو مطمئن کر دیتے تھے۔

ائمہ مساجد، خطباتِ جمعہ کی رہنمائی کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مولانا انہیں موضوع سے متعلق موادفراہم کرتے اور ان کی علمی اور دینی رہنمائی فرماتے۔

مولانا کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں نہیں؛ بلکہ ہزاروں میں ہے، ان میں کامیاب وکیل بھی ہیں، ماہر ڈاکٹر بھی ہیں اور اعلیٰ درجہ کے انجینئر بھی ہیں، اور درس وتدریس سے تعلق رکھنے والے اساتذہ اور پروفیسر بھی ہیں، مولانا علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے بلاشبہ مصداق ہیں:

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری ❖ اُٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے

مولانا کے فیضِ صحبت سے جو چند خوش نصیب علماء مستفید ہوئے ان میں مولانا ذبیح اللہ قاسمی، مولانا ابوالکلام قاسمی، مولانا حارث، مولانا ابراہیم، مولانا نذرالامین اور حافظ محمد طیب صاحب کے نام شامل ہیں، یہ وہ احباب ہیں جو مولانا کی علمی مجلس میں بطور خاص شریک اور فیض یاب ہوتے تھے۔

مولانا مجاہد قاسمیؒ کی زندگی کا مشن تھا قرآن کا پیغام عام کرنا، حقیقت یہ ہے کہ اس پیغام کو عام کرنے کے لئے مولانا نے اپنی پوری صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا، اس مشن کی انجام دہی میں مولانا کو مختلف مراحل سے گذرنا پڑا، راستے میں دیواریں کھڑی کی گئیں، اللہ کے اس بندے کو برا بھلا کہا گیا۔ راہِ حق کے اس مسافر کے ساتھ بدتمیزی کی گئی، اس عاشقِ قرآن کے ساتھ ہر ناروا سلوک کیا گیا، یہاں تک کہ ان کے قتل کا خوف ناک منصوبہ تک بنایا گیا؛ لیکن اللہ کے اس نیک بندے کی پیشانی پر کبھی بل تک نہیں آیا، اور نہ ہی اس کے پائے استقلال میں جنبش پیدا ہوئی، اور مولاناؒ نے لوگوں کی اس مخالفت کا ہمیشہ خندہ پیشانی سے جواب دیا، مسکراتے رہے اور کہتے رہے، یہ سوغات تو ہمیں میراث میں ملی ہیں، ان حالات سے تو میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی گذرنا پڑا ہے، صحابہ بھی گذرے ہیں، بزرگانِ دین بھی گذرے ہیں اور راہِ حق کے ہر مسافر کے ساتھ دنیا نے یہی سلوک اور برتاؤ کیا ہے۔ اب جب کہ مولانا اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں، اور اپنے رب کے پاس چلے گئے ہیں، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، انہیں اپنے نیک اور صالح بندوں میں محشور فرمائے، اور خدمت قرآن کے بہترین صلہ سے اللہ پاک انہیں نوازیں، ان کے متعلقین اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہم خدام کو مولانا کے چھوڑے ہوئے مشن کو لے کر آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے ❖ جان کر من جملہ خاصا نۂ مے خانہ مجھے

❍❖❍

کتاب المسائل:

مفتی محمد سلمان منصورپوری

حلالہ کے متعلق مسائل

قرآنِ کریم میں حلالہ کا حکم

اِسلام میں اِنسانی فطرت اور جذباتیت کا خیال رکھتے ہوئے طلاق کے معاملہ میں تدریج اور تخفیف کا لحاظ رکھا گیا ہے، چناں چہ پہلی اور دوسری رجعی طلاق کے بعد رجوع کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ. (البقرۃ: ۲۲۹)

طلاقِ رجعی دوبار تک ہے، اس کے بعد دستور کے موافق بیوی کو رکھ لینا (رجوع کرلینا) ہے، یا مناسب انداز میں چھوڑ دینا ہے۔

لیکن اگر کوئی آدمی اِس تخفیف سے فائدہ نہ اٹھائے اور بیک وقت یا الگ الگ اَوقات میں اپنی منکوحہ بیوی کو تیسری طلاق بھی دیدے، تو اب حکم یہ ہے کہ اُن دونوں کے درمیان اُس وقت تک اِزدواجی تعلق قائم نہیں ہوسکتا، جب تک کہ مطلقہ بیوی عدت کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور اس سے طلاق یا تفریق واقع ہونے کے بعد اس کی عدت نہ گذر جائے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشادِ خداوندی ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ. (البقرۃ: ۲۳۰)

پھر اگر اُس عورت کو (تیسری) طلاق دے دی، تو وہ اُس کے لئے اب حلال نہیں؛ تا آں کہ اس کے علاوہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے، پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) طلاق دیدے، تو اُن دونوں (پہلے شوہر اور مطلقہ بیوی) پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ باہم مل جائیں، اگر اللہ کے حکم کو قائم رکھنے کا خیال کریں، اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، جن کو وہ جانکار لوگوں کو بیان کرتا ہے۔

اِس آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ حلالہ شرعیہ کے بغیر مطلقہ ثلاثہ کو نکاح میں لانے کی کوئی صورت شریعت میں جائز نہیں ہے۔

حلالہ میں ہمبستری کی قید حدیث مشہور سے ثابت ہے

قرآن کی آیت میں تو حلالہ کے لئے صرف ’’اَنْ تَنْکِحَ‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف نکاح کے بعد بھی اگر دوسرا شوہر طلاق دیدے، تو یہ مطلقہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی۔ (اور یہی بعض تابعین کی رائے ہے)۔ (تفسیر قرطبی ۳/۱۴۸)

لیکن جمہور علماء اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ حلالہ کی صحت کے لئے دوسرے شوہر کا اُس عورت سے ہمبستری کرنا شرط ہے، اور اُن کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے، جسے ''حدیث عسیلہ'' کہا جاتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی، اُن کی اہلیہ نے عدت گذارنے کے بعد ایک دوسرے شخص سے نکاح کیا، مگر بیوی کے بقول اُن میں جماع کی صلاحیت نہ تھی، تو اُنہوں نے یہ چاہا کہ دوسرے شوہر اُنہیں طلاق دے دیں، اور وہ دوبارہ پہلے شوہر حضرتِ رفاعہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیں، جب یہ معاملہ پیغمبر علیہ السلام کے سامنے آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اہلیہ کو حکم دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ:

لا، حتی تذوقي عسیلته ویذوق عسیلتک. (صحیح مسلم ۱/۴۶۳)

نہیں! پہلے شوہر سے اُس وقت تک رجوع نہیں ہوسکتا، جب تک کہ تم اس دوسرے شوہر کا ذائقہ نہ چکھ لو، اور وہ تمہارا ذائقہ نہ چکھ لے۔ (جماع کی طرف اِشارہ ہے)

اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں، پھر عدت کے بعد اُس عورت نے دوسرے مرد سے شادی کی تھی؛ لیکن اس دوسرے مرد نے رخصتی سے پہلے طلاق دے دی، تو پہلے شوہر نے اس عورت سے دوبارہ نکاح کا اِرادہ کیا، تو جب اِس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح حلال نہیں ہے؛ تا آں کہ دوسرا شوہر اس بیوی سے لذت حاصل نہ کرے، جیسا کہ پہلے شوہر نے لذت حاصل کی ہے''۔ (مسلم شریف ۱/۴۶۳)

اِس طرح کی صحیح اور مشہور اَحادیث کی بنا پر جمہور علماء وفقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ پہلے شوہر کے لئے مطلقہ ثلاثہ اُسی وقت حلال ہوسکتی ہے جب کہ دوسرے شوہر سے جماع کے بعد ہی طلاق یا تفریق کی نوبت آئی ہو، اور اِس بارے میں بعض تابعین کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور غالب یہی ہے کہ اُن حضرات تک یہ صریح حدیث نہ پہنچی ہوگی۔

حلالہ کی حکمت کیا ہے؟

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حلالہ کا حکم عورت کے لئے فضیحت کا سبب ہے، حالاں کہ غور کرنے سے پتہ چلے گا کہ حلالہ کا حکم دراصل شوہر اول کے لئے سزا ہے کہ اس نے عورت کی ناقدری کی کہ اسے تین طلاقیں دے دیں، اب یہ اس کے پاس اس وقت تک نہیں لوٹ سکتی، جب تک کہ دوسرے مرد کا منہ نہ دیکھ لے، اس میں عورت کے لئے کوئی سزا نہیں؛ کیوں کہ وہ تو پہلے بھی منکوحہ تھی اور اب بھی منکوحہ ہے، اصل سزا شوہر کو ہے کہ اس کی منکوحہ دوسرے کے پاس ہوکر آرہی ہے۔ علامہ فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

فلأن المقصود من توقیف الحل علی هذا الشرط زجر الزوج عن الطلاق؛ لأن الغالب أن الزوج یستنکر أن یفترش زوجته رجل آخر، ومعلوم أن الزجر إنما یحصل بتوقیف الحل علی الدخول فأما مجرد العقد فلیس فیه

اور اس لئے کہ اس دوسرے شوہر سے نکاح پر شوہر اول کے لئے حلت کی شرط دراصل شوہر کو طلاق دینے سے روکنے کے مقصد سے لگائی گئی ہے؛ کیوں کہ غالب یہی ہے کہ شوہر اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اُس کی بیوی دوسرے مرد کی فراش بنے اور یہ بات عیاں ہے کہ یہ تنبیہ اسی وقت مؤثر ہوگی جب کہ نکاح کے ساتھ ہمبستری کی

زیادة نفرة فلا یصح جعله مانعاً وزجراً.
(التفسیر الکبیر للإمام الرازي ۱۱٤/۳ دار الفکر بیروت)

شرط بھی لگائی جائے؛ کیوں کہ محض عقدِ نکاح میں کوئی زیادہ ناگواری نہیں پائی جاتی، پس اس کو اس عمل سے مانع اور موجب تنبیہ قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

حلالہ کے حکم کا مذاق اُڑانا جائز نہیں

درج بالا آیتِ قرآنی اور اَحادیثِ شریفہ سے یہ بات واضح ہوچکی کہ مطلقہ ثلاثہ کے لئے شوہرِ اول سے نکاح کے واسطے حلالہ کا حکم فقہاء کا خانہ ساز نہیں ہے؛ بلکہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اِس لئے اِس حکم شرعی پر طنز وتعریض یا استہزاء اور تضحیک کسی مسلمان کے لئے ہرگز درست نہیں ہے۔

اگر مطلقہ ثلاثہ دوسرا نکاح ہی نہ کرے، یا نکاح تو کرے؛ لیکن دوسرے شوہر ہی کے ساتھ رہنے لگے، یا دوسرا شوہر طلاق دیدے، پھر بھی شوہرِ اول اس کو اپنے نکاح میں نہ لے، اِن سب باتوں کا بے شک شریعت میں اختیار ہے؛ لیکن جو شرط شوہرِ اول سے دوبارہ ازدواجی تعلق قائم کرنے کے لئے شریعت نے لگائی ہے، اس کو نظر انداز کرنا یا اس پر طعن وتشنیع کرنا کسی طرح روا نہیں۔

آج کل بہت سے پرجوش غیر مقلدین طلاق ثلاثہ کو زبردستی ایک ثابت کرنے کے زعم میں حلالہ کے حکم کا بے دریغ مذاق اُڑاتے ہیں، اور مختلف انداز سے فقہ میں موجود حلالہ کے مسائل کی تضحیک کرتے ہیں، یہ طریقہ انتہائی قابل مذمت اور کھلی ہوئی جہالت اور حماقت ہے؛ اس لئے کہ جو حکم قرآن واحادیث سے ثابت ہو، اُس پر کسی شخص کو چوں چرا کا حق حاصل نہیں ہے۔

مشروط حلالہ قابل لعنت ہے

دوسری طرف یہاں یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ اسلام کی نظر میں باقاعدہ پلاننگ اور منصوبہ بندی کے ساتھ حلالہ کا عمل پسندیدہ نہیں ہے، اور ایسے عمل پر احادیث شریفہ میں فریقین پر لعنت کی گئی ہے۔ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرانے والے اور جس کے لئے حلالہ کرایا جارہا ہے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی شریف ۲۱۳/۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۹۹/۷)

اِس سے معلوم ہوا کہ صرف شوہرِ اول کے لئے عورت کو حلال کرانے کے مقصد سے نکاح کرنا عقدِ نکاح کی روح کے خلاف ہے؛ کیوں کہ یہ رشتہ وقتی طور پر قائم نہیں کیا جاتا؛ بلکہ اس میں پختگی اور پائیداری شریعت میں مطلوب ہے، اور حلالہ کی غرض سے مشروط نکاح میں یہ مطلوب حاصل نہیں ہوتا۔

اور قرآنی آیت میں جو حلالہ کا ذکر ہے، اس میں ایک مطلق اُصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی دوسرے شوہر کا منہ دیکھے بغیر یہ عورت پہلے کے لئے حلال نہ ہوگی، اب اِس اُصول کی رو سے دوسرے شوہر کا نکاح مشروط ہو یا غیر مشروط اس سے شوہرِ اول کے لئے حلیت تو ثابت ہوجائے گی؛ لیکن نکاح کے دیگر تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مشروط حلالہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی، اِسی لئے مذکورہ حدیث میں مشروط طریقہ پر حلالہ کرنے اور کرانے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔

حلالہ کے بارے میں ایک ضروری تنبیہ

اگر غیر مشروط طریقہ پر دوسرے شوہر نے نکاح کیا، پھر وہ اپنی ذاتی مصالح دیکھ کر اُس عورت کو طلاق دینا

چاہے، تو اُسے بھی طلاق کے منجملہ آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے، اور طلاق کا ایک اہم اَدب یہ ہے کہ ایسے پاکی کے زمانہ میں طلاق دی جائے جس میں بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو۔ (سورۂ طلاق: ا، بخاری شریف حدیث: ۴۹۰۸)

آج کل حلالہ کے معاملہ میں اِس حکم پر عمل کرنے میں سخت کوتاہی ہوتی ہے، اور عام طور پر دوسرا شوہر ہمبستری کے بعد اگلے ہی دن طلاق دے دیتا ہے، تو اِس طرح طلاق دینے سے گوکہ طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور وہ عورت عدت کے بعد شوہر اول کے لئے حلال بھی ہوجاتی ہے؛ لیکن جماع کے بعد اسی طہر میں طلاق دینے سے گناہ لازم آتا ہے، اس لئے فوری طور پر طلاق دینے کے بجائے انتظار کرنا چاہئے، اور ناپاکی کے بعد جب اگلا پاکی کا زمانہ آئے، تو اُس میں جماع کے بغیر ایک طلاقِ بائن دے کر نکاح سے الگ کردینا چاہئے؛ تاکہ کوئی کراہت لازم نہ آئے۔

اِس تمہید کے بعد حلالہ سے متعلق چند اہم مسائل ذیل میں درج کئے جارہے ہیں:

تین طلاق کے بعد توبہ یا معافی مانگنے سے حلالہ کا حکم ساقط نہیں ہوتا

بہت سے لوگ غصہ میں تین طلاق دے کر بعد میں بیوی سے معافی مانگتے ہیں اور توبہ واستغفار کرتے ہیں، یاد رکھیں کہ توبہ واستغفار سے گناہ تو معاف ہوسکتا ہے؛ لیکن مطلقہ ثلاثہ بغیر حلالہ کے شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔

التوبة النصوح الندم بالقلب، والاستغفار باللسان، والإضمار أن لا يعود إليه أبداً. (تنبيه الغافلين ٥٥) **وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة ...... لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.** (هندية ٤٧٣/١، مستفاد: فتاوىٰ محموديه ڈابهيل ٥٠٦/١٣)

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے حلال نہ ہونے میں صغیرہ کبیرہ مدخولہ غیر مدخولہ سب کا حکم یکساں ہے

تین طلاق سے بیوی حرمت مغلظہ کے طور پر شوہر پر حرام ہوجاتی ہے، اب بغیر حلالہ کے شوہر اول سے نکاح نہیں ہوسکتا، اور اس حکم میں سب عورتیں برابر ہیں، خواہ بالغہ ہوں یا نابالغہ، مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ، کسی بھی مطلقہ ثلاثہ کا شوہر اول سے بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں۔

لا ينكح مبانته بالبينونة الغليظة، أطلقه فشمل ما إذا كان قبل الدخول أو بعده كما صرح به في الأصل، وشمل ما إذا طلقها أزواج، كل زوج ثلاثاً قبل الدخول، فتزوجت بآخر فدخل بها، تحل للكل، وأشار بالوطء إلى أن المرأة لا بد أن يوطأ مثلها. (البحر الرائق ٩٤/٤، درمختار مع رد المحتار كراچی ٤١٣/٣، كذا في البدائع بيروت ٤١١/٤، مستفاد:

فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۴۷۸/۱۲، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۳۱۳/۹)

غیر مدخولہ بیوی کو تین طلاق کے بعد حلالہ کا حکم ہے یا نہیں؟

غیر مدخولہ (جس عورت سے خلوت نہ ہوئی ہو) کو اگر ایک ساتھ ایک جملہ میں تین طلاقیں دیں مثلاً کہا: ''تجھے تین طلاق'' تو یہ تینوں طلاق اس پر واقع ہو جائیں گی، اب غیر مدخولہ ہونے کی وجہ سے کوئی عدت واجب نہیں ہے لیکن اگر یہ شوہر اس عورت سے ازدواجی رشتہ دوبارہ قائم کرنا چاہتا ہو تو حلالہ کرنا ضروری ہوگا۔

وقد بالغ المحقق ابن الهمام في رده حيث قال في آخر باب الرجعة: لا فرق في ذٰلک: أی اشتراط المحلل بين كون المطلقة مدخولاً بها أو لا، لصريح إطلاق النص، وقد وقع في بعض الكتب أن غير المدخول بها تحل بلا زوج وهو زلة عظيمة مصادمة للنص والإجماع لا يحل لمسلم راٰه أن ينقله فضلاً عن أن يعبره؛ لأن في نقله إشاعةً، وعند ذٰلک ينفتح باب الشيطان. (شامی کراچی ۲۸۵/۳، فتح القدير ۱۷۷/۴، هندية ۴۷۳/۱، مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۴۹۷/۱۲)

حلالہ میں بغیر گواہوں کے نکاح کر دیا

حلالہ کے نکاح میں اگر گواہوں کی موجودگی کے بغیر میاں بیوی نے ایجاب وقبول کر لیا پھر صحبت کے بعد طلاق دی تو یہ حلالہ درست نہ ہوگا اور اس کی وجہ سے وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی؛ اس لئے کہ حلالہ کے لیے نکاح صحیح شرط ہے جو یہاں نہیں پائی گئی۔

ولا ينكح مطلقة بها أي بالثلاث حتى يطأها غيره، ولو مراهقاً بنكاح نافذ خرج الفاسد. (درمختار مع الشامي زكريا ۴۲/۵) **نكاح فاسد وهو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود.** (درمختار مع الشامي زكريا ۲۷۴/۴) **وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة ...... لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً.** (هندية ۴۷۳/۱)

حلالہ کے لئے عدت کے دوران نکاح جائز نہیں

تین طلاق کے بعد مطلقہ بیوی جب تک شوہر اول کی عدت میں رہے، دوسرے شخص کے لئے اس سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذٰلک المعتدة، كذا في السراج، سواء كانت العدة عن طلاق أو وفات. (هندية ۲۸۰/۱، شامی کراچی ۵۱۶/۳) **ينكح مطلقة بها أي بالثلاث حتى يطأها غيره بنكاح وتمضي عدته.** (درمختار مع الشامي زكريا ۴۰/۵)

ارتداد سے حلالہ ساقط نہیں ہوتا

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں، پھر زوجین میں سے کوئی ایک (نعوذ باللہ) مرتد ہوگیا تو اس ارتداد کی وجہ سے بیوی سے حلالہ کا حکم ساقط نہیں ہوگا لہٰذا نہ تو بیوی تجدید اسلام کے بعد عدت گذارے بغیر دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور نہ ہی شوہر تجدید اسلام کے بعد بغیر حلالہ کے دوبارہ اس سے نکاح کرسکتا ہے، بلکہ اگر وہ دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو تجدید اسلام کے بعد اولاً حلالہ ہوگا، اُس کے بعد ہی پہلے شوہر سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔

لو كانت تحته حرة، فطلقها ثلاثاً، ثم ارتدت ولحقت بدار الحرب، ثم استرقها، لم تحل حتى تتزوج بزوج آخر. (البحر الرائق ٩٤/٤، تبيين الحقائق بيروت ١٦٥/٣، هندية ٤٧٣/١، مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ٥٠١/١٣)

مجنون سے حلالہ کرانا

اگر کسی مجنون (پاگل) سے حلالہ کرایا اور اس نے ہم بستری کرلی تو حلالہ تو درست ہوجائے گا؛ لیکن مجنوں کی طرف سے طلاق واقع نہ ہوگی، اس کے لئے محکمہ شرعیہ سے رجوع ہوکر اس کے فیصلہ پر عمل کرنا ہوگا۔

ولو كان الزوج الثاني مجنوناً حلت للأول، كذا في الخلاصة. (الهندية ٤٧٣/١) **أو مجنوناً.** (درمختار مع الشامي زكريا ٤٣/٤)

قریب البلوغ مراہق سے حلالہ کرانا

مراہق (یعنی ایسا بچہ جس کی عمر حد بلوغ کو پہنچ چکی ہو؛ لیکن پورا بالغ نہ ہوا ہو، جس کا اندازہ فقہاء نے دس سال سے لگایا ہے) اگر عورت سے مجامعت کرسکتا ہو اور اس کے اندر حرکت اور شہوت ہوجائے تو ایسے مراہق بچہ سے حلالہ کرانا جائز ہے؛ البتہ مکمل بالغ ہونے سے پہلے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ مراہق کی طلاق کو فقہاء نے غیر معتبر قرار دیا ہے۔

وفي الأنفع: الصبي المراهق في التحليل كالبالغ إذا جامعها قبل البلوغ وطلقها بعد البلوغ؛ لأن الطلاق منه قبل البلوغ غير واقع، كذا في التاتارخانية. فسر المراهق في الجامع الصغير: فقال غلام: لم يبلغ، ومثله يجامع جامع امرأته وجب الغسل عليها وأحلها للزوج الأول ومعنى هذا الكلام أن تتحرك آلته ويشتهي، كذا في الهداية. (الهندية ٤٧٣/١، مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ٣٦١/٩) **ولا يقع طلاق الصبي ولو مراهقاً.** (درمختار زكريا ٤٥١/٤)

❍❖❍